عترت در قرآن

تالیف

منظوم علی ولایتی

ناشر

جامعۃ الکوثر اسلام آباد

زیر سرپرستی حضرت **قائم آلِ محمد** عجل اللہ فرجہ الشریف

مشخصات کتاب

نام :۔ عترت در قرآن

تالیف :۔ منظوم علی ولایتی

ترتیب وتدوین :۔ سید محمد حسن عسکری

تاریخ اشاعت :۔ اپریل 2019ء

تعداد :۔ 1000

ہدیہ :۔ 250 روپے

پیشکش :۔ الهادی اسلامك سنٹر' جامعۃ الکوثر اسلام آباد

برائے رابطہ :

فہرست مطالب

Contents

انتساب

میں اس حقیر کاوش کو اپنے تمام اساتذہ کرام خواہ وہ پرائمری سکول ڈروٹ غازی آباد (یُلبو) روندو کے اساتذہ ہوں خواہ ہائی سکول سکمیدان سکردو کے یا جامعۃ الرضا بہارہ کہو اسلام آباد کے اساتذہ کرام ہوں یا پھر مادر علمی جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے شفیق اور فاضل اساتذہ کرام ہوں کہ جن کی محنتوں سے حقیر اس قابل ہوا کہ اس کتاب کو منظر عام پر لا سکوں ، کے نام کرنا چاہتا ہوں اور اس امید پر کہ یہ حقیر ہدیہ محترم اساتذہ کرام سے شرفِ قبولیت پائے گا ، نہایت ادب واحترام سے اسے ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مؤلف کتاب ھٰذا

منظوم ولایتی

تاثرات

قرآن کریم حقائق کا بحرِ بیکراں ہے اور ہر زمانے کے لیے قرآن میں جدت اور تازگی موجود ہے۔ قرآن کریم اپنے اعلی و ارفع مفاہیم اور اسلوبِ بیان دونوں کے اعتبار سے زندہ اور دائمی معجزہ ہے۔ قرآن مجید جامع اور کامل ترین منشورِ زندگی ہے۔ قرآن مجید کی تفہیم اور تشریح روزِاول سے ہی مفسرین اور شارحینِ کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر اور تشریح مختلف زاویوں سے کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی گئی یہ تفاسیر جہاں قابلِ قدر اور لائق مطالعہ ہیں وہاں بعض اوقات فہم قرآن کے سلسلے میں دقت اور ابہام کا موجب بھی بنتی ہیں۔ تاہم بعض تفاسیر قرآنی حقائق کی تفہیم کے سلسلے میں بنیادی اہمیت اور مرکزی کردار کی حامل ہیں۔

قرآن کریم کی عملی مجسم صورت اور قرآن ناطق اہل بیت اطہارؑ ہیں۔ جن کے ذکر کے بغیر قرآن کریم کی تفسیر ممکن ہی نہیں ہے۔ ان کا پاکیزہ اور نورانی وجود قرآن کریم کے مفاہیم کے لیے مصداق کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے بغیر قرآن مجید بغیر مصداق کے رہ جاتا ہے۔

جامعہ الکوثر کے جفاکش، مخلص اور باہدف طالب علم برادر مکرم جناب منظوم ولایتی صاحب نے قرآن کریم میں اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہونے والی منتخب آیات مبارکہ کے حوالے سے اہل تشیع اور اہل سنت کے مستند اور نامور مفسرین کے منتشر آرا اور نظریات کو تحقیقی بنیادوں پر مرتب کرکے ایک منفرد کتاب کی

شکل دے دی ہے۔ یہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد اور قابلِ قدر کوشش ہے۔ برادر نے یہ کام بڑی عرق ریزی، انتھک محنت اور خلوص کے ساتھ کیا ہے۔ یہ ان کی اولین تحقیقی اور علمی کاوش ہے جو نہ صرف لائق صد تحسین و آفرین ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی۔ ان کی یہ تحقیقی اور علمی کاوش جہاں قرآن اور اہل بیتؑ سے ان کی قلبی اور فکری وابستگی کا مظہر ہے وہاں ان کے تحقیقی مزاج اور تنقیدی صلاحیتوں کی غماز بھی۔ برادر محترم کے قلم میں روانی اور تازگی موجود ہے۔ اگر برادر کی طرف سے خامہ فرسائی کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ان شاء اللہ مستقبل میں وہ ایک کہنہ مشق محقق، نامور ادیب، مآیہ ناز مصنف اور مستند مفسر کے طور پر علم وادب کے افق پر نمایاں ہوں گے۔

محمد حسین شریفی

صدر انجمن طلاب بلتستانیہ اسلام آباد

مقدّمہ مؤلّف

قرآن کریم اللہ تعالی کی آخری کتاب ہے اور یہ وہ عظیم کتاب ہے کہ باطل آگے سے اس پر حملہ آور ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔قرآن انسانی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کے جذبات کی اتباع کرتا ہے۔

رسول خداﷺ کی فریقین کے ہاں ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثقلین کتابَ الله و عترتی اهلَ بیتی و انهما لَن یفترِقا حَتیٰ یَرِدا عَلیَّ الحوضَ۔

" میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: اللہ کی کتاب اور اپنی عترت اہل بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے عترت کو قرآن کے ساتھ ملایا اور قرآن کو عترت کے ساتھ شامل کیا اور پھر ان دونوں کے متعلق پوری تاکید کر کے فرمایا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گے۔ قرآن عترت کے موافق ہے اور عترت قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کرتی ہے' اسی لیے قرآن اور عترت میں نہ صرف کوئی اختلاف اور تضاد موجود نہیں ہے بلکہ قرآن و عترت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن اپنے ساتھی اور عدیل کے متعلق خاموش رہے اور اس میں عترت کی طرف اشارہ بھی موجود نہ ہو؟؟

ایسا تصور کرنا ہی ناممکن ہے کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور یہ چیز خلاف عقل ہے کہ اس میں باقی تو سب کچھ ہو لیکن اس میں رسول اللہؐ کے عظیم خاندان اور آپؐ کی عترت طاہرہ کا ذکر تک نہ ہو اور خصوصاً قرآن عترت کے سردار امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ذکر خیر سے خالی ہو؟؟ یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن میں اُس علیؑ کا ذکر نہ ہو جس نے تمام غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا ہو اور جس نے ہر میدان میں بقول دعائے ندبہ کے عرب کے بڑے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑ کے' ان کے بہادروں کو تہہ تیغ کر کے اور ان کے پہلوانوں کو لگام دے کر اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے ہوں!!!

جیسا کہ تاریخ میں ملتا ہے کہ معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ اپنے باپ' بھائی اور چچا کو ہمیشہ یاد کرتی تھی اور یہ اشعار پڑھا کرتی تھی:

اَبِی وَعَمِّی وَ شَقِیْقُ بکری　　　اخی الذی کانوا کضوءِ البدر

بهم کسرتَ یا علیّ ظَهری

" میرا باپ، چچا اور بھائی چودھویں کے چاند کے چاند کی روشنی کی مانند تھے۔ اے علیؑ! تو نے انھیں قتل کر کے میری کمر توڑ دی ہے"۔

جہاں اہل بیتؑ نے قرآن کے علوم و فنون' احکام اور خصائص کا تعارف کرایا ہے وہیں قرآن مجید نے بھی اہل بیتؑ بالخصوص حضرت امیر المومنین علی ابن

ابی طالبؑ کی شخصیت اور ان کے مکارم اخلاق و مناقب و خصائص کو بیان کیا ہے اور قرآن نے دل کھول کر حضرت علیؑ کی جانثاری اور ایثار کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن تمام انسانوں کیلیے ہدایت کا چراغ ہے اور حق اور باطل کو جدا کرتا ہے۔ قرآن صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن میں موعظہ اور شفاء ہے اور اہل ایمان کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن مجسم حق اور حق کا داعی ہے۔

حضرات اہل بیتؑ عدیل قرآن ہیں اور وہ پہلو بہ پہلو قرآن کے ساتھ چلنے والے ہیں۔ اہل بیتؑ بھی راہ حق کے داعی ہیں صراط مستقیم کے ہادی ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں ۔اسی لیے کلام اللہ میں اہل بیت اطہارؑ کے فضائل و مناقب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل بیت طاہرینؑ کے نام کی صراحت نہیں کی گئی، جیسا کہ عربی زبان کا مقولہ مشہور ہے: الکنایۃُ ھی ابلغُ و احسنُ من التصریح" کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ اور واضح تر ہوتا ہے"۔

قرآن کریم میں نہ صرف اہل بیت اطہارؑ کے فضائل کا بیان ہے بلکہ اس میں بہت سی ایسی واضح آیات موجود ہیں جن میں پہلے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ثناء کی گئی ہے پھر دوسرے مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا ہی خوب کہا تھا کہ قرآن میں جہاں بھی یاآیھاالذین آمنوا کی آیت آئی ہے ان میں علیؑ کو ہی مومنین کا سالار قرار دیا گیا ہے۔

اہل سنت مشہور عالم امام ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب " صواعق محرّقہ " میں لکھتے ہیں کہ ابن عباس کا بیان ہے کی جب آیت

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ[1]

" بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے

وہ مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں "

نازل ہوئی اس وقت رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا :

" اے علیؑ ! وہ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہیں۔آپؑ اور آپؑ کے شیعہ قیامت کے دن اس حالت میں آئیں گے کہ وہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا ان سے راضی ہو گا اور تیرے دشمن مغلوب بن کر اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے آئیں گے "۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں دسیوں ایسی آیات ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے عترتِ رسول ﷺ کی تعریف کی ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مقدس اور نورانی وملکوتی تعلیمات کو مسلمان معاشرے کے سامنے بالخصوص نوجوان نسل کے سامنے وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے اور یقیناً ایسا کرنا مسلمان علماء اور صاحبان علم و دانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کے سامنے ان حقائق کو پیش کرنے میں سستی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کریں تاکہ امت رسولؐ قرآن و عترت کے دامنِ فیض سے متمسک ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو

---

1 سورہ بینہ 07

ہو سکے وگرنہ دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی سوالیہ نشان بن سکتی ہے جیسا کہ بقول عرب شاعر:

ترجو النجاۃ ولم تسلك مسلكها

انّ السفینۃ لا تجری علی الیبس

تم نجات کی امید تو رکھتے ہو مگر نجات دینے والے راستوں پر چلنے سے گریزاں ہو تو یاد رکھو کہ کشتی خشکی پر نہیں چلتی ہے۔

حقیر نے اپنی علمی بے مائیگی اور فکری افلاس کے باوجود تحقیقی میدان میں قدم رکھنے کی جرائت اس لیے کہ اگرچہ تحقیقی میدان کی اس حقیر طالب علم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تاہم یہ سوچ کر کہ ہمارے علمائے کرام اور مکتب امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں نے ہمیشہ صدر اول سے لے کر آج تک اس عظیم خالص مکتب کو ہم تک پہنچانے اور اس کو مسلمان معاشرے کے سامنے رکھنے میں سختیاں جھیل کر جو سبقت دوسروں پر حاصل کی ہے وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے اور دوست ودشمن اس بات کا معترف ہے، ان کے علمی سرچشموں سے حصول فیض کیلئے اپنی زندگی کے چند قیمتی سال بحیثیت ایک ادنی طالب علم مکتب امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد رہا ہوں اس لیے سوچا کہ ان پانچ چھ سالوں میں جو کچھ اپنے شفیق اساتذہ کرام سے پڑھا ہے اسے صفحہ قرطاس کے سپرد کرنے کی اپنی سی طالب علمانہ کوشش کروں تاکہ شاید یہی چیز توشہ آخرت بن جائے اور میری بخشش کا سامان بن سکے۔

احقر نے قران مجید میں اہل بیت اطہارؑ سے متعلق چند آیات کا شیعہ اور سنی مفسرین اور مترجمین کے نظریات ‘ان کے آراء اور اہل سنت مفسرین و مترجمین کی طرف سے کیئے گئے اعتراضات اور شبہات کے شیعہ مفسرین و مترجمین کے جوابات کو کتابی شکل دینے کی اپنی سی طالب علمانہ کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کیلئے میں نے قرآن کے مختلف تفسیروں اور ترجموں مطالعہ کیا ‘نوٹس بنائے اور پھر مرتب کر کے کتابی شکل دے دی۔ویسے بھی نقص اور خطاء بشری تقاضا ہے جس سے میرے جیسے کم علم طالب علم تو یقیناً پاک نہیں ہو سکتے ‘لہٰذا اس کتاب میں اگر کوئی حسن و کمال ہے تو وہ ان مفسرین اور مترجمین قرآن کی وجہ سے ہے جن کی تفاسیر اور تراجم سے حقیر نے استفادہ کیا ہے اور کہیں کوئی کمی ہے تو وہ میری بے مایہ طالب علمی کا نتیجہ ہے جس کے لیے میں رب محمد وآل محمدؐ سے معافی اور علماء کرام سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

آخر میں مجھے اپنے اُن اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ جن کی دعاؤں اور شبانہ روز محنتوں کی بدولت مجھے اس خدمت دین کا موقع ملا۔ اور میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں سینئر برادر محترم و مکرم جناب محمد حسین شریفی صاحب ‘ جنہوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر مسودے کی تصحیح فرمائی ‘ ساتھ ہی ناشکری ہوگی اگر شکریہ ادا نہ کیا جائے جامعۃ الکوثر کے لائبریری کے مسئولین کا کہ جنہوں نے حقیر کیلئے رات بارہ ایک بجے تک لائبریری میں بیٹھ کر کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔

ساتھ ہی اپنے والدین اور ان تمام دوست و احباب کا شکریہ کہ جنہوں نے حقیر کی اس کام میں حوصلہ افزائی فرمائی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بحق قرآن و اہل بیتؑ ہماری اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین

والسلام مع الاکرام

احقر

منظوم علی ولایتی

ابن اخون حسن علی شیرؒ

متعلّم جامعۃ الکوثر اسلام آباد

قرآن مجید کی ان تفسیروں، ترجموں اور کتابوں کے نام جن سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر الکوثر تالیف الشیخ محسن علی نجفی مدظلہ

تفسیر نمونہ تالیف آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ

تفسیر مظہری تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیر صافی تالیف ملا محسن فیض کاشانیؒ

تفسیر المیزان تالیف علامہ طباطبائیؒ

تفسیر فصل الخطاب تالیف سرکار علامہ سید علی نقی نقنؒ

تفسیر تالیف انوار النجف علامہ حسین بخش جاڑاؒ

تفسیر ظفر تالیف ادیب اعظم ظفر حسن امروہویؒ

تفسیر کبیر تالیف فخر الدین رازیؒ

تفسیر کشّاف تالیف زمخشریؒ

تفسیر درّ منثور تالیف جلال الدین سیوطیؒ

بلاغ القرآن تالیف شیخ محسن علی نجفی مدظلہ

مترجم قرآن آیت اللہ محمد حسین نجفی مدظلہ

مترجم قرآن حافظ سید فرمان علیؒ

تفہیم القرآن تالیف سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

خورشیدِ خاور تالیف سلطان الواعظین سید محمد شیرازیؒ

(1)

آیتِ امامت

وَاِذابتلٰی اِبرَاھِیمَ رَبّہ بِکَلِمات فاَتمّھنّ قال اِنّی جاعِلُکَ لِلنّاس اِمَاما۔قَالَ وَمِنْ ذُرّیّتِی، قَالَ لاَیَنَالُ عَھدِّی الظّالِمِیْنَ[1]

ترجمہ: (وہ وقت یاد کرو جب خدا نے ابراھیمؑ کو مختلف طریقوں سے آزمایااور وہ ان سے عمدگی سے عھدہ برآ ھوے تو خدا نے ان سے کہا کہ میں نے تمھیں لوگوں کا امام اور رھبر قرار دینے والا ھوں۔ ابراھیمؑ نے کہا میری نسل میں سے بھی(ایئمہ قرار دے) خدانے فرمایا میرا عھد (مقامِ امامت) ظالموں کو نھیں پہنچتا۔

1 (سورہ مبارکہ بقرہ آیت نمبر 124)

شانِ نزولِ آیت :

تفسیرِ قمی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمایش یہ تھی کہ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں، ابراہیمؑ نے خواب کو عملی جامہ پہنایا، اپنی بات پر قائم رہے اور بارگاہ احدیت میں سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پختہ ارادہ کرلیا تو خدا نے ان کی صداقت، تسلیم اور حکم کی بجاآوری کے انعام کے طور پر فرمایا: "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً "[1] میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں تو ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ کیا میری ذریت میں بھی یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا؟ تو ارشاد باری تعالی ہوا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ میرا یہ وعدہ ظالمین تک نہیں پہنچنے والا ہے یعنی ظالم امامت کی اہلیت نہیں رکھتا اس کے بعد اللہ تعالی نے "حنیفیت" یعنی طہارت کو نازل فرمایا اور یہ دس باتوں کا مجموعہ ہے۔

ان سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور بقیہ پانچ بدن سے متعلق ہیں۔ جن کا تعلق سر سے ہے وہ یہ ہیں : مونچھوں کا کتروانا' داڑھی کا رکھنا' سر کے بالوں کا مونڈنا' مسواک کرنا اور خلال کرنا اور جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ یہ ہیں : بدن کے بالوں کا مونڈنا' ختنہ کرنا' ناخن کاٹنا' غسل جنابت کرنا اور پانی سے طہارت کرنا۔

---

(1) بقرہ124

حنیفیّت سے یہی طہارت مراد ہے جو ابراھیمؑ لیکر آے تھے یہ باتیں نہ تو منسوخ ہوئی ہیں اور نہ قیامت تک منسوخ ہوں گی۔[1]

حضرت ابراہیمؑ کی سخت آزمائشیں:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی اپنی شہرہ آفاق تفسیر " تفسیرِ نمونہ " میں اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیت حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے اہم ترین موڑ یعنی ان کی بڑی بڑی آزمائشوں اور ان میں ان کی کامیابیوں کے متعلق گفتگو کرتی ہے۔ وہ آزمائشیں جنہوں نے ابراہیمؑ کی عظمت، مقام اور ان کی شخصیت کو روشن کردیا۔

جب ابراہیمؑ ان امتحانات سے کامیاب ہوگئے تو وہ منزل آئی کہ خدا نے انہیں انعام دے کرفرمایا: میں نے تمھیں لوگوں کا امام، رہبر اور پیشوا قرار دیا قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً تو ابراہیمؑ نے درخواست کی میری اولاد اور خاندان سے بھی آئمہ قرار دے تاکہ یہ رشتہ نبوت و امامت منقطع نہ ہو اور صرف ایک کے ساتھ قائم نہ رہے (قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي) خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: میرا عہد یعنی مقامِ امامت ظالموں تک ہر گز نہیں پہنچے گا قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي

1 تفسیر قمی، ج1 ص59

الظَّالِمِينَ یعنی ہم نے تمھاری درخواست قبول کرلی ہے لیکن تمھاری ذریت میں سے صرف وہ لوگ اس مقام کے لائق ہیں جو پاک اور معصوم ہیں[1]

کلمات سے مراد:

کلمات کی تفسیر کرتے ہوے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ فرماتے ہیں کہ ان آیاتِ قرآن سے ابراہیمؑ کے وہ اعمال مراد ہیں جن کی خدا نے تعریف کی ہے، کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلمات (وہ جملے جو خدا نے ابراہیمؑ کو سکھاے) دراصل ذمہ داریوں کا ایک گراں اور مشکل سلسلہ تھا جو خدا نے ابراہیمؑ کے سپرد کر دیااور اس مخلص پیغمبر نے انہیں بہترین طریقے سے انجام دیا۔ ابراہیمؑ کے امتحانات میں یہ امور شامل تھے:

اپنی بیوی اور بیٹے کو مکہ کی خشک اور بے آب و گیاہ سر زمیں میں لیجانا جہاں کوئی انسان نہ تھا۔

بیٹے کو قربان گاہ میں لے جانا اور حکمِ خدا سے اسے قربان کرنے کے لیے پرعزم آمادگی کا مظاہرہ کرنا۔

بابل کے بت پرستوں کے مقابلے میں قیام کرنا، بتوں کو توڑنا اور اس تاریخی مقدمے میں پیش ہونا اور نتیجتاً آگ میں پھینکا جانا اور ان تمام مراحل میں اطمینان ایمان کا ثبوت دینا۔

1۔ تفسیر نمونہ ج1 ص318

بت پرستوں کی سر زمین سے ہجرت کرنا اور اپنی زندگی کے سرمایے کو ٹھوکر مار کر دیگر علاقوں میں جاکر پیغامِ حق سنانا۔

اس واقعہ کے تمام مراحل مشکل اور صبر آزما تھے تاہم حضرت ابراہیمؑ ایمانی قوت کے ذریعے ان تمام امتحانات میں کامیاب ہوئے اور ثابت کیا کہ وہ مقامِ امامت کی اہلیت رکھتے ہیں۔[1]

تفسیرِ انوار النجف کے مصنف حضرت علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم اعلی اللہ مقامہ تفسیرِ مجمع البیان اور تفسیرِ البرہان کے حوالے سے.بروایتِ ابن بابویہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات سے وہی کلمات مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے حاصل کیے تھےاور ان کی توبہ قبول ہوئی تھی وہ کلمات یہ ہیں: یا ربّ اسٔلك بحقّ محمّد وعلیّ وفاطمہ والحسن والحسین الا تبتُ علیّ الخ راوی نے پوچھا کہ پھر فاتمھن سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے جو نو (9) امام ہیں ان کو بھی ملاکر حضرت قائمِ آل محمدؑ تک کل بارہ امام پورے کیے۔

عظیم ادیبِ مولانا سیّد ظفر حسن امروہوی صاحب قبلہؒ تفسیرِ ظفر میں آیتِ مذکورہ کے ذیل میں مولانا سید حافظ فرمان علی اعلی اللہ مقامہ کے حاشیے سے متعلق لکھتے ہیں کہ مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیے پر لکھا ہے کہ " جن کلمات کے ذریعے حضرت ابراھیمؑ کا امتحان لیا گیا تھا

---

1 (تفسیر نمونہ ج1ص319)

اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی باتیں تھیں، ایک روایت میں ہے وہ یہ تھیں۔ سارے سر میں بال یوں تو مانگ نکالنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تین دفعہ مسواک کرنا، مونچھوں کا کٹوانا ، بغل کے بال منڈوانا، زیرِ ناف کے بال مونڈنا، ختنہ کرانا، پانی سے استنجاء کرنا، ناخن کٹوانا۔ انھیں باتوں کا نام سنتِ ابراہیمی ہے"۔ مولانا کا یہ کہنا تو تسلیم ہے کہ یہ سنت ابراہیمی ہیں لیکن یہ قابلِ قبول نہیں کہ ان چیزوں میں امتحان لیکر ان کو منصبِ امامت پر فائز کیا گیا ہو۔ یہ تو معمولی باتیں ہیں جن کو ایک پاکیزگی پسند انسان بجالانا ضروری سمجھتا ہے جیسے کلی کرنا، مسواک کرنا، بغلوں کے بال منڈوانا ،زیرِ ناف بال صاف کرنا، ناخن کٹوانا وغیرہ ان کے اوپر عہدہِ امامت کا انحصار کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

جن باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا وہ حضرت ابراہیمؑ کے وہ سخت امتحانات تھے جن میں کامیاب ہونا بڑے حوصلے کا کام تھا۔ مثلا بت پرستوں میں رہ کر جبکہ کوئی ان کا مددگار نہ تھا بت پرستی کی مذمّت کرنا، ان کے بتوں کو توڑنا، آتشِ نمرود میں پھینکا جانا، ستارہ پرستی کی تردید ایسی حالت میں کرنا جبکہ قوم کے بیشتر افراد ستارہ پرست تھے پھر نمرود سے مقابلہ اور مباحثہ، اور بیٹے کے ذبح پر آمادہ ہونا۔ ان میں سے ہر ایک مصیبت بجائے خود ہزار مصیبتوں کا مجموعہ تھی مگر حضرت ابراہیمؑ بڑے صبر واستقلال وثبات کے ساتھ ان منزلوں سے گزر گئے اس کمالِ ایمان کے صلہ میں ان کو بارگاہِ ذوالجلال سے عہدہِ امامت ملا، بارگاہ ایزدی کا یہ سب سے بڑا عہدہ تھا جناب ابراہیمؑ نے یہ پانچواں منصب بھی

حاصل کرلیا، وہ عبد تھے، نبی تھے، رسول تھے، خلیل تھے اور سب سے آخر میں امامِ خلق بنادیئے گئے۔

تھوڑے سے غور وفکر کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص اس عہدہِ جلیلہ پر فائز ہو گا اس کے اختیارات کیا ہونگے اور اس کی روحانی عظمت کس پایہ کی ہوگی۔اس عہدہِ امامت کو پانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان و زمین کا تمام نظام دکھایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَٰلِكَ نُرِىٓ إِبۡرَاهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَاوَاتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلۡمُوقِنِينَ[1]

غور کیجیے جس شخص نے آسمان و زمین کے تمام نظام کو دیکھ لیا ہو اس کا یقین کس پایہ کا ہو گا یہ عہدہِ امامت کی معلومات اور اختیارات کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام:

شیخ محسن علی نجفی مدظلہ العالی تفسیرِ الکوثر میں زیرِ بحث آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ دعوتِ خدا کے بانی، انسانی ارتقائی سفر کے میرِ کارواں، دعوتِ توحید کے موسّس، تحریکِ جہاد کے اولین قائد، راہِ خدا کے پہلے مجاہد، بیت اللہ کے معمار، اللہ کی راہ میں نکلنے والے پہلے مہاجر، تاریخِ انسانیت کے عظیم

1 (سورہ انعام آیت نمبر75)

بت شکن، ابوالانبیاء، خلیل اللہ، حضرت ابراھیمؑ کا تذکرہ ہے، ذکرِ خلیلؑ کے لیے قرآن نے جس مقام کا انتخاب کیا ہے معجزہ سے کم نہیں ہے۔

اہلِ کتاب اپنے آپ کو حضرت اسحٰقؑ کے ذریعے حضرت ابراہیمؑ سے مربوط کرتے ہیں۔ادھر بنی اسرائیل سمجھتے ہیں کہ وہی اللہ کی برگزیدہ قوم، روے زمین پر الہی منصب خلافت کی اہل ہے، یہ لوگ نسلِ اسحٰقؑ کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے، چنانچہ اسماعیلی اور اسرائیلی نسلی رقابت کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی طویلِ تاریخ بیان فرماتے ہوئے اس بات کی طرف بار بار اشارہ کیا ہے کہ یہ قوم کس قدر بے وفا، بدکردار اور ناشکری ہے۔قرآن کے طرزِ بیان اور سیاقِ عبارت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قوم اس الٰہی منصب کی اہل نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جن بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا اب یہ نعمتیں اس سے چھن رہی ہیں یہاں تک کہ منصبِ خلافت بھی ان سے لیکر کسی اہل اور امین کے سپرد کیا جارہاہے۔

ساتھ ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی امامت، ان کی اولاد میں اس منصب کے تسلسل، ظالموں کو اس منصب سے دور رکھنے، بیت اللہ کی تعمیر، اس خانہ خدا کو ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک رکھنے کی ذمہ داری، تبدیلِ قبلہ اور نسلِ اسماعیلؑ کیلیے منصبِ رسالت کی دعا کا ذکر آتا ہےاور یہ بتایا جاتا ہے کہ دنیاوی امامت کے لیے نسلِ اسرائیل کی جگہ اب نسلِ اسماعیلؑ کو منتخب کر لیا گیاہے۔[1]

---

1 (تفسیر الکوثر، ج1 ص388)

سید مودودی کا موقف:

جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں آیتِ امامت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام سخت آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن سے گزر کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں بنی نوعِ انسان کا امام و رہنما بنایا جائے۔ جس وقت سے حق ان پر منکشف ہوا اس وقت سے لے کر مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی تھی۔

دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو ابراہیمؑ نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو، اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے، ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انھوں نے حق کی راہ میں جھیلا نہ ہو۔

لاینال عهدی الظالمین کی تفسیر:

لاینال عهدی الظالمین کی تفسیر میں سید ابولاعلی مودودی لکھتے ہیں کہ یہ (امام بنانے کا) وعدہ تمھاری اولاد کے صرف اس حصے سے تعلق رکھتا ہے جو صالح ہو اور ان میں سے جو ظالم ہوں گے ان کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے، اس سے یہ بات خود ظاہر ہوتی ہے کہ گمراہ یہودی اور مشرک بنی اسرائیل اس وعدے کے مصداق نہیں ہیں۔ [1]

---

1 (تفہیم القرآن، ص110)

قرآن میں کلمہ باقیہ سے مراد:

راوی نے دریافت کیا و جعلها کلمته باقیته فی عنقه میں کلمہ باقیہ سے کیا مراد ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ امامت امام حسین علیہ السلام کی اولاد تا قیامت باقی رہے گی پھر سائل کے سوال کے جواب میں امامؑ نے فرمایا جس طرح موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں بھائی تھے لیکن نبوت ہارونؑ کی پشت میں رہی اور جناب موسیٰؑ کی طرف نہ آئی لہٰذا خدا کے فعل پر کیوں کہنا درست نہیں۔

امامت بلند ترین عہدہِ الٰہی:

علامہ حسین بخش جاڑا رحمہ اللہ تفسیرِ البرھان میں لکھتے ہیں کہ کتبِ معتبرہ امامیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ خدا وند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا اور پھر ان کو نبی بنایا قبل رسول بنانے کے،اور پھر رسول بنایا قبل خلیل بنانے کے اور پھر خلیل بنایا قبل درجہِ امامت سپرد کرنے کے جب پہلے تمام مراتب پر فائز ہو چکے تب ارشاد فرمایا انی جاعلک للناس اماما اور اس کے بعد امامؑ نے ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ عہدہِ امامت کی عظمت یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے سابق عہدوں کے لیے اپنی اولاد کیلیے دعا نہ کی لیکن جب منصبِ امامت پر فائز ہوئے تو خود اپنی اولاد کے لیے بھی اسی عہدہ کو طلب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لاینال

عهدی الظالمین خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو مستجاب فرمایا کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تمام اولاد کے لیے امامت نہیں طلب کی تھی چنانچہ اپنی دعا میں یہ نہیں کہا تھا کہ اے پروردگار ! میری ساری اولاد کو عہدہِ امامت عطا فرمادے بلکہ من ذریتی کہا تھا اور مِن تبعیض کا ہے جس کا معنی بعض ہوتا ہے۔ یعنی اپنے اولاد کے بعض افراد کے لیے خواہش ظاہر کی تھی پس خدا نے قبول فرمائی۔ اور اس فقرہ سے تنبیہ فرمادی کہ عہدہِ امامت ظالم کو نہیں پہنچ سکتا لَایَنالُ عَھدِی الظّالِمِینَ۔

صرف معصوم ہی امام بن سکتا ہے:

پس یہ آیت مبارکہ نبوت اور امامت کی عصمت کی دلیل ہے۔ اور یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے پس گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، قبل بعثت یا بعد بعثت نبی و رسول سے سر زد ہونا عقلا محال ہے۔ اور یہ آیت اس فیصلے کی نقلی طور پر دلیل قاطع ہے کہ ظالم کا لفظ عام ہے خواہ عہدہ ملنے کے وقت ظالم ہو یا اس سے پہلے کسی وقت ظالم رہ چکا ہو اور تمام ظلموں سے شرک بڑا ظلم ہے، خداوند متعال فرمارہا ہے : انّ الشرك لظلم عظیم پس جو لوگ اپنی زندگی کے کسی بھی دور میں مشرک و بت پرست رہ چکے ہیں یا کسی گناہ میں مبتلا رہ چکے ہیں آیت مجیدہ کہ رو سے ظالم ہیں اور عہدہِ امامت کے قطعاً لائق نہیں بلکہ اس عہدہ پہ صرف وہی فائز ہو سکتا ہے جو ابتدائے عمر سے آخر تک تمام گناہوں سے بچا ہو اور معصوم ہو اور

جناب رسالتِ مآب ﷺ کے بعد وہ صرف اہلِ بیت محمد ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔

پاک پیغمبر ﷺ اور مولا علیؑ دعائے ابراہیمؑ کا نتیجہ ہیں:

نیز علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم اعلی اللہ مقامہ رقمطراز ہیں کہ صاحب عمدۃ البیان نے مناقب خوارزمی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا جس قوت سے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ میری اولاد میں امام بنا اور خداوند عالم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عہد امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا تو اس وقت ابراہیمؑ نے دعا کی : واجنبنی و بنیآن نعبدَ الاصنامَ یعنی اے اللہ پاک ! بچائے رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ پرستش کریں ہم بتوں کی چنانچہ خدا نے میرے اور علیؑ کے حق میں ان کی دعا قبول فرمائی اور مجھ کو نبی بنایا اور علیؑ کو وصی بنایا۔

علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم اسی سے ملتی جلتی ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ تفسیرِ برہان میں مناقبِ ابنِ مغازلی سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ جنابِ رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ !آپ کیسے اپنے والد ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوگئے ؟ آپ ﷺ نے عرض فرمایا کی جب خدا نے ابراہیمؑ کو وحی کی کہ میں تجھے امام بناتا ہوں یوں تو ابراہیمؑ بہت خوش ہوئے اور عرض کی میرے اللہ ! میری اولاد میں سے بھی میری طرح امام بنانا۔ تو جواب ملا کہ میں ایک صورت میں تیری اولاد کو امامت امامت کا عہدہ نہ

دوں گا۔ پس انھوں نے عرض کی وہ کونسی صورت ہے؟ تو فرمایا وہ یہ کہ تیری اولاد میں سے ظالم کو یہ عہدہ نہیں ملے گا۔ ابراہیمؑ نے پوچھا میری اولاد میں سے ظالم کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ جو بت پرستی کرے گا اس کو کسی وقت بھی یہ عہدہ تفویض نہ کروں گا اور وہ امام نہ ہو سکے گا، پس ابراہیمؑ نے دعا مانگی وجنبنِي وبنيَّ ان نعبدَ الاصنامَ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ربِّ انّھنّ اضللنَ کثیرا مِن اللناسِ اے رب! انھوں (بتوں) نے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میرے اور علیؑ کے حق میں ثابت ہو گئی کیوں کہ ہم نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ پس خداوند کریم نے مجھے نبی بنایا اور علیؑ کو وصی اور ولی بنا دیا۔[1]

سید العلماء سرکار علامہ علی نقی نقنؒ کا موقف:

سرکار سید العلماء سید علی نقی نقنؒ تفسیر فصل الخطاب میں آیتِ و اذبتلی ابراھیمَ ربّہ ۔۔۔ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ امتحان میں تمام و کمال کے بعد خالق کی طرف سے اعلانِ امامت ہوا تھا اس لیے ابراہیمؑ کا دل بڑھا ہوا تھا، خالق کی نگاہِ کرم کی توجّہِ خاص مبذول دیکھ کر اور منصب کی بلندی کو محسوس کر کے سوال کر لیا و مِن ذرِیّتی اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنا)۔

1۔ (تفسیرِ انوار النجف، ج 2 ص 171،172)

جواب ملا " لاینالُ عَھدیِ الظالِمِینَ " میرا عھد (امامت) ظالموں تک نہیں پہنچتا" غور کیا جاے تو معلوم ہو جاے گا کہ از اول سوال ابراہیمؑ تمام ذریّت سے متعلق ہی نہ تھا کیونکہ انھوں نے کہا تھا " و مِن ذرّیتی " میری ذریت میں سے بھی اگر کل کے لیے سوال ہوتا تو مِن یعنی " میں سے " نہ کہا ہوتا۔

اس کے بعد خالقِ کریم کے جواب کو ابراہیمؑ کی رد یا اس میں کوئی کمی سمجھنا غلط ہو گا بلکہ وہ دعاے ابراہیمی کی قبولیّت کا اظہار ہے اس کے ابہام کی تشریح کے ساتھ مطلب فقرہ کا یہ ہوتا ہے کہ ہاں ضرور تمہاری اولاد میں یہ منصب رہے گا البتہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

امام کون بن سکتا ہے؟:

علامہ نقنؒ فرماتے ہیں کہ ظالم کس سے کہتے ہیں کی تشریح خود قرآن نے دوسری جگہ کردی ہے ارشادِ باری ہے: ومَن یّتعدَّ حدودَ اللهِ فاؤلائكَ ھُم الظّالِمونَ "[1] جو اللہ تعالیٰ کی مقرّر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرتا ہے وہ ظالم ہیں" اس کے بعد پھر ظالم کے لفظ کو کافر کے ساتھ مخصوص کرنا بلاوجہ ہے، گناہ جو بھی ہو گا وہ حدودِ الٰہی سے تجاوز ہو گا لہٰذا مرتکب اس کا ظالم قرار پائے گا خواہ وہ کفر ہو یا فسق بلکہ ایسا گناہ بھی جو فسق کی حد تک نہ پہنچے۔

---

1 (سورہ بقرہ، آیت نمبر233)

نیز علامہ نقنؒ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ جب ابراہیمؑ کے لیے امامت کا اعلان عصمت کی دلیل ہوا تو امامت کے بقاء کا اعلان ان کی ذرّیّت جیسا کہ اس وعدہِ الٰہی سے ظاہر ہے خود یہی صفت عصمت کے کچھ افرادِ زریّت میں تا قیامت وجود کی یقینی دلیل ہوں گے۔ اس کے ساتھ جب لفظ ظالم کے حدود کی وسعت دیکھنے کیلیے اس آیت پر نظر کی جاے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تقربا هٰذهِ الشجرةَ فتكونا مِنَ الظّالِمِينَ حالانکہ فعلِ آدمؑ گناہ نہ تھا تو معلوم ہو گا کہ امامت کا درجہ وہ عظیم درجہ ہے جو اس حد تک کے ترکِ اولیٰ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا جو کسی درجہ تک نبوت کیساتھ واقع ہونا ممکن ہے [1]

امامت کی قسمیں:

مولانا حسن ظفر امروہوی صاحب لکھتے ہیں کہ امامت کی دو قسمیں ہیں:

(1) ایک امامتِ کبریٰ یعنی امامت کلیّہ مطلقہ جو حاوی ہوتی ہے تمام عالَم کے علم پر اور جس کے اختیارات کی حدود زمین سے آسمان تک ہوتی ہیں۔

(2) دوسری امامتِ صغریٰ جو ہر نبی کو حاصل ہوتی ہے یعنی ہر نبی اپنی امت کا امام ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: يَوْمَ نَدْعُواْ كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ [2] یعنی روز قیامت ہم ہر امت کو اس کے امام کے ساتھ بلائینگے۔ یہ امام (جو امامتِ صغریٰ کا

1۔ (تفسیرِ فصل الخطاب، ج1 ص 271)

2 (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر71

حامل ہے) صرف اپنی امت کا گواہ ہوتا ہے اور اس کو اتنا ہی علم دیا جاتا ہے اور بلحاظِ امت اور بلحاظِ تقاضائے زمانہ ضروری ہو۔

امام کی قسمیں:

قبلہ امروھویؒ آگے فرماتے ہیں کہ پھر امام دو طرح کے ہوتے ہیں:

خیر کی طرف بلانے والے۔

شر کی طرف بلانے والے۔

انبیاء علیہم السلام خیر کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں اور اشرارِ امت شر کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں جو خیر کی طرف بلانے والے ہیں ان سب کے مراتب یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: تلكَ الرّسُلُ فضّلنا بعضَهم علیٰ بعض یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

تمام انبیاء و مرسلین میں یہ شرف صرف حضرت ابراہیمؑ کو حاصل ہے کہ وہ شجرۃُالانبیاء کہلاتے ہیں یعنی تمام نبیوں کی اصل اور جڑ جناب ابراہیمؑ ہیں اور یہ فضیلت بھی ان کے ساتھ خاص ہے کہ ان کی نبوت پر تمام اہلِ کتاب کا اتفاق ہے۔یہود ہوں یا نصاریٰ۔ اور یہ بھی اعزاز اللہ تعالیٰ نے انھیں بخشا ہے کہ امامتِ مکمل انہی کو دی گئی اور یہ بھی کہ اسلام جو اللہ کا دین ہے ملت ابراہیمی کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ مژدہِ روح افزا سنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو خلق کا امام بنانے والا ہے تو فورا بارگاہِ الہیٰ میں عرض کی کہ میری طرح میری اولاد کو بھی خلق کا امام بنا۔ خدا نے جواب دیا: لاینالُ عھدی الظالمین "ظالم کو یہ عہدہِ امامت نہ ملے گا "اس جواب سے اس عہدہِ جلیلہ کی عظمت وجلالت کا پتہ چلتا ہے یعنی جن کے دامنِ اعمال پر ظلم کا ہلکا سا دھبہ بھی لگا ہوگا وہ خدا کا مقرر کیا ہوا امام نہیں ہو سکتا خواہ وہؑ عمر کے کسی حصہ میں ہو۔۔۔[1]

عظیم شیعہ محدث شیخ صدوقؒ اور خطیب خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ اپنے قافلے کے ساتھ مکہ سے عراق کی جانب جارہے تھے تو ثعلبہ نام کے مقام پر ایک شخص سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور اس آیت کریمہ کی تفسیر دریافت کی کہ : یوم ندعوا کلَّ اناسٍ بِاِمَامِہِم[2] قیامت کے دن ہم ہر قوم کو اس کے امام اور پیشوا کے ساتھ بلائیں گے) تو امام حسینؑ نے اس کے جواب میں فرمایا :

"ایک امام و پیشوا وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو راہِ راست ، کامیابی اور سعادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ جبکہ ایک اور امام اور پیشوا وہ ہے جو لوگوں کو گمراہی اور بدبختی کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ اس کی دعوت قبول کرتا ہے۔ ان مین سے پہلا گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا"۔

---

1 (تفسیر ظفر و مرو ہویؒ، ج 1 ص 116)

2 (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت 71)

پھر امام حسینؑ نے فرمایا کہ یہی اس اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے جس میں پروردگار نے فرمایا ہے: فریقٌ فی الجنّۃِ و فریقٌ فی السعیرِ[1] (کچھ لوگ جنت میں اور کچھ لوگ دوزخ میں ہوں گے)۔

رہنماؤں کی اقسام:

امام حسینؑ نے اپنی اس گفتگو میں قرآن مجید کی دو آیات کی بنیاد پر دو متضاد گروہوں اور دو قسم کے رہبروں کا ذکر کیا ہے۔ان دونوں میں سے ہر گروہ ایک رہبر سے وابستہ اور اسی کے افکار کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں ہمیشہ ایسے گروہ اور ایسے رہبر رہے ہیں اور رہیں گے۔اب ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ان رہنماؤں کے پیش کردہ پروگراموں کی بنیاد پر انہیں پرکھے، پہچانے اور اس رہنماء کی پیروی کرے جو انسانی سعادت کی سمت دعوت دیتا ہو[2]

ظلم کی قسمیں:

مولانا امروہوی صاحب لکھتے ہیں کہ ظلم کی تین قسمیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ذیل ہیں:

---

1 (سورہ شوریٰ۔آیت 7)

2 (خطبات، فرمودات و مکتوبات حسین ابن علیؑ مدینہ تا کربلاء، ص145)

خود پر ظلم کرنا:

وہ شخص جس نے صرف اپنے نفس پر ظلم کیا ہو اگر ایسا ظلم ترکِ اولیٰ کے زمرے میں آتا ہے تو بخش دیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ پھل کھا کر اپنے اوپر ظلم کیا توبہ کرنے پر خدا نے ان کو بخش دیا اور ان کی خلافت پر اِس ظلم کا کوئی اثر نہ پڑا۔

دوسروں پر ظلم کرنا:

جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کرے گا وہ اس وقت تک معاف نہ ہو گا جب تک مظلوم خود اس ظلم کو معاف نہ کرے ، اور اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کے درمیان عدل و انصاف کرے گا اور اس ظلم کی سزا ظالم کو ضرور دیگا چاہے وہ ظلم تھوڑا ہو یا زیادہ، ایسا ظالم عہدہِ امامت کے لائق نہیں ہو سکتا۔

شرک کرنا:

تیسرا ظلم جو کہ سب سے بڑا ظلم ہے وہ شرک باللہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خالق ہے: انَّ الشرك لظلم عظیم۔ یہ ظالم اگر کسی نے آن واحد (ایک لمحے) کے لیے بھی کیا ہے تو وہ عہدہِ امامت پانے کا اہل نہیں قرار پائے گا۔

دوسری اور تیسری قسم کا ظلم کرنے والے لوگ دربارِ الٰہی سے کے کسی قسم کے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اعتبار کھو چکے ہیں کیوں کہ شخص ایک بار بہک سکتا ہے وہ پھر دوبارہ بھی بہک سکتا ہے یعنی جس کی عقل ایک دفعہ دھوکہ

کھاسکتی ہے وہ دوسری بار بھی دھوکہ کھاسکتی ہے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ وہ دوبارہ ظلم نہ کرے گا۔

دوسرے یہ کہ ظالم کی وقعت نگاہِ خلق میں گر جاتی ہے وہ اس کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں پس ایسے شخص کو خداوند متعال اپنی طرف سے حاکم کیوں بنائے جس کو عام لوگ نفرت سے دیکھتے ہوں۔ جہاں تک توبہ کی بات ہے تو توبہ کرنے کے بعد اس ظالم شخص کا گناہ تو بخشا جاسکتا ہے مگر کوئی عہدہِ الٰہی نہیں پاسکتا۔

تمام الٰہی عہدے معصوم ہستیوں سے مخصوص کیوں؟

تمام الٰہی عہدے جیسے (نبوت، سالت، امامت وغیرہ) اللہ تعالٰی نے معصوم ہستیوں سے مخصوص کیے ہیں یعنی ان لوگوں سے جو من المھد الی اللحد (گود سے لے کر قبر) ہر قسم کے گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا پاک و صاف رہے ہوں اور ان کو خدا کی طرف سے عِلم دیا گیا ہو جیسے جناب ابراہیمؑ کو بچپنے ہی سے صاحبِ عقل و ہوش بنا دیا گیا تھا: ولقد آتینا ابراھیمَ رشدَہٗ مِن قبل (سورہ انبیاء) یہی وجہ ہے کہ جو لوگ عہدہِ امامت پر فائز ہوتے ہیں ان کو کبھی معزول نہیں کیا جاتا وہ مرتے دم تک اسی عہدہ پر فائز رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں چونکہ مرتد اور مشرک بھی آنے والے تھے لہٰذا خداوند متعال نے لا ینالُ عھدِی الظالِمین کہ کر ان لوگوں کو الگ کر دیا جو صفتِ ایمان اور عصمت کے حامل نہ ہوں۔ (تفسیر ظفر و مرھویؒ، ج 1 ص 116)

لوگوں کی اقسام:

صاحبِ تفسیرِ المیزان فیلسوفِ زماں علامہ محمد حسین طباطبائیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اپنی گراں قدر تفسیر میں آیتِ امامت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ ان کے ایک استاد سے سوال کیا گیا کہ یہ آیتِ مجیدہ امام کے معصوم عن الخطاء ہونے پر کیسے دلالت کرتی ہے؟

توجواب میں فرمایا: عقلی تقسیم کے مطابق لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

جو اپنی ساری زندگی ظالم رہے ہوں۔

جو زندگی میں کبھی ظالم نہ رہے ہوں۔

جو صرف ابتداے عمر میں ظالم رہے ہوں۔

جو صرف آخرِ عمر میں ظالم رہے ہوں۔

اب اگر غور سے دیکھا جاے تو حضرت ابراہیمؑ کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ پہلی اور آخری قسم کے لوگوں کیلیے امامت جیسے جلیل القدر منصب کی خواہش کرے، باقی دو قسمیں رہ جاتی ہیں جن میں ایک کے لیے اللہ تعالیٰ نے امامت کی لاینالُ عہدی الظالمین کہ کر نفی کر دی لہٰذا وہی لوگ منصبِ امامت کے اہل رہ گئے جو پوری عمر ظالم نہ رہے ہوں۔[1]

1 (تفسیرِ المیزان ج1 ص274)

نبوت و رسالت اور امامت میں فرق:

صاحبِ تفسیرِ الکوثر الشیخ محسن علی نجفی مدظلہ العالی نبوت، رسالت اور امامت کے باہمی فرق کو یوں بیان فرماتے ہیں:

نبوت:

نبی وہ ہے جو عالمِ خواب میں آواز سنتا ہے۔ جیسے ابراہیمؑ کا خواب یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے قبل جو کچھ خواب میں سنائی دیتا تھا۔

رسالت:

رسول وہ ہیں جن پر جبرائیلؑ نازل ہوتا ہے اور انہیں فرشتۂ وحی نظر آتا ہے۔

امامت:

امام تبلیغ و ارشاد اور تربیت کے منصب کے ساتھ ولایت و حاکمیت اور مومنین کے نفوس پر زیادہ حق تصرف رکھتا ہے[1]

1 (تفسیرِ الکوثر، ج1 ص392)

امام اور رسول کہ ذمہ داریاں:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ العالیہ تفسیرِ نمونہ میں زیرِ بحث آیتِ مجیدہ کے ذیل میں نبوت، رسالت اور امامت کے فرق کو بیان کرنے کے بعد امام اور رسول کی ذمہ داری سے متعلق نہایت مختصر مگر جامع انداز میں فرماتے ہیں کہ امام کا کام اور ذمہ داری احکام و قوانینِ الٰہی کا اجراء (نافذ کرنا) ہے جبکہ نبی کی ذمہ داری احکامِ الٰہی کا ابلاغ (پہنچادینا) ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ رسول کا کام ارائۃ الطریق (راستہ دکھانا) ہے جبکہ امام کی ذمہ داری ایصال الی المطلوب (منزل تک پہنچانا) ہے۔[1]

اہلِ تسنّن اور اہلِ تشیّع کی تعریفِ امامت میں فرق:

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ امامت کی مختلف معانی بیان فرماتے ہوے اہل تسنن اور اہل تشیع کی امامت کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

اہل سنّت کا نظریہ امامت:

اہلِ سنّت کے ہاں امامت کا معنی صرف دنیاوی امور کی قیادت اور پیشوائی تک محدود ہے۔

---

1 (تفسیرِ نمونہ، ج1 ص321)

اہلِ تشیع کا نظریہ امامت:

اہلِ تشیع کے ہاں امامت کا معنی دینی اور دنیوی دونوں امور میں قیادت اور رہبری ہے لہٰذا جس میں حدودِ الٰہی کے اجراء کے لیے حکومت کا وسیع مفہوم شامل ہے پس ظاہری اور باطنی دونوں پہلوں سے نفوس کی تربیت و پرورش بھی امامت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے[1]

عہدہِ امامت کا تعلق:

مولانا حسن ظفر امروہوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ عہدہِ امامت کا تعلّق (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) اہلِ تشیع کے عقیدے کے مطابق دینی اور دنیوی حکومتوں سے ہوتا ہے یعنی معاشرتی، تمدّنی اور سیاسی اصلاحات کے ساتھ وہ اخلاقی، نفسانی اور روحانی کمزوریوں کا دور کرنے والا بھی ہوتا ہے لہٰذا اس کو دینی اور دنیوی تمام علوم کا ایسا بڑا عالم ہونا چاہیے کہ کسی کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ ایسا عالِم وہی ہو سکتا ہے جس کا علم وھبی (اللہ کا عطا کیا ہوا) ہو نہ کہ کسبی (خود محنت کر کے حاصل کیا ہو)۔

جناب ابراہیمؑ اپنی جد اولاد کیلیے امامت کے خواستگار تھے ان کا ان تمام اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، جناب ابراھیمؑ کی تمام اولاد یکساں نہ تھی ان میں مومن و کافر دونوں قسم کے لوگ تھے پس کافرون سے متعلق دعا تو

---

1 (تفسیرِ نمونہ، ج1 ص320)

ہو ہی نہیں سکتیا ور مخصوص مومنوں سے متعلق ہو ان کا اول تو معصوم ہونا اور پھر علمِ وھبی رکھنا ضروری ہے۔

امت کو امام کی ضرورت کیوں؟:

حضرت ابراہیمؑ کی اس شاخ میں جو حضرت اسماعیلؑ سے چلی یہ امامت کلیہ جناب سولِ خدا ﷺ کو ملی۔ وہ تمام کائنات پر حقِ تصرف رکھتے تھے۔ حضرت ﷺ کے بعد بھی سلسلہ ختم نہیں ہونا چاہیے تھا کیوں کہ آپ ﷺ کی امت کو قیامت تک ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہر زمانہ میں باقی رہے گی جو معصوم ہو اور مکتبِ مِن لدُن کا تعلیم یافتہ ہو۔ چنانچہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری کو ان کے نام بھی بتادیئے اگرچہ ان میں سے دو (امام اول اور امام دوم) کے علاوہ کسی کو حکومت ظاہری کا موقع نہیں ملا تاہم انہوں نے اپنے معجزات سے یہ ثابت کردیا کہ اشیاے عالم پر ان کو کس درجہ تصرف حاصل ہے اور مختلف اقوام کے سوالات کے جوابات دے کر ثابت کردیا کہ وہ علمِ وہبی رکھتے ہیں۔ انھوں نے کبھی کسی سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہم نہیں جانتے، یہی ثبوت اس امر کا ثبوت تھا کہ وہ خدا کے ہاں سے علم حاصل کیے ہوئے آئے ہیں وہ ذرّیت ابراہیمؑ تھی جن کے لیے حضرت نے اپنے بعد خدا سے عہدہِ امامت عطا کرنے کے لیے دعا کی تھی۔

زیرِ بحث آیت کے قطعی نتائج:

علامہ محمد حسین طباطبائی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ جو کچھ اس آیت کی تفسیر میں بیان ہوا اس سے مندرجہ ذیل سات امور ظاہر ہوتے ہیں:

امامت اللہ دیتا ہے یعنی امام اللہ بناتا ہے۔

امام عِصمتِ الٰہیہ کے ذریعے معصوم ہوتا ہے۔

زمین اور اس میں موجود انسان کبھی امام سے خالی نہیں ہو سکتے۔

امام کیلیے واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید شدہ ہو۔

بندوں کے اعمال امام سے چھپے ہوئے نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ ان کے اعمال کو جانتا ہے۔

واجب ہے کہ امام ہر اس چیز کو جانے جس چیز کی طرف بندے دین و دنیا میں محتاج ہیں۔

یہ محال ہے کہ امام سے بڑھ کر لوگوں میں کوئی فضیلتوں والا موجود ہو۔[1]

---

1 (تفسیرِ المیزان، ج1 ص274)

(2)

آیتِ تطہیر:

اِنّما یُرِیدُ اللہُ لِیُذہِبَ عنکمُ الرّجسَ اھلَ البیتِ و یُطھّرَکُم تطھیرا [1]

ترجمہ: اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو (اے) اہل بیت! آپ سے دور رکھے اور آپ کو پاک و پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

1 (سورہ احزاب، آیت 33)

شانِ نزولِ آیتِ تطہیر:

سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی نقنؒ آیتِ تطہیر کے شانِ نزول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سنی و شیعہ تمام محدّثین کی روایات جو اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول میں وارد ہوئی ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر کے نیچے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو لیا اس وقت یہ آیت مبارکہ اتری۔[1]

تفسیرِ کاشف کے مصنّف علامہ محمد جواد مغنیّہؒ اپنی تفسیر میں آیتِ مذکورہ کے ذیل میں تفسیرِ طبری (اہلِ سنت تفسیر) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی االلہ تعالیٰ عنہا زوجہِ پیغمبر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امہ سلمہ رضی اللہ عنھا روایت کرتی ہیں کہ جب آیتِ تطھیر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور ان کے اوپر ایک چادر ڈال دی اور فرمایا: اللهم هئولاء اهلُبيتی اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجّسَ و طَهّرْهُم تَطهِيرا "یعنی اے اللہ ! یہی میرے اہل بیتؑ ہیں ان سے ہر ناپاکی کو دور فرمااور ان کواس طرح سے پاک رکھ جیسے پاک رکھنے کا حق ہے"۔

1۔(تفسیرِ فصل الخطاب، ج3 ص178)

اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہُ تعالیٰ عنھا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسولَ اللہ ﷺ ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں ؟ تو پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا (اَنّكِ علیٰ خیر) آپ خیر پر ہیں۔[1]

آیت تطہیر میں ارادہ سے کون سا ارادہ مراد ہے تکوینی یا تشریعی؟:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالیہ اپنی تفسیر میں آیتِ تطھیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ارادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا تکوینی ارادہ کی طرف اشارہ ہے ورنہ اردہِ تشریعی اہل بیت پیغمبرؐ سے مخصوص نہیں ہوگا بلکہ سب لوگ بغیر کسی استثنیٰ کے حکم شریعت کے تحت اس بات کے پابند ہونگے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں و نجاستوں سے پاک رہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں پر کہا جائے کہ ارادہِ تکوینی تو ایک قسم کے جبر کا لاموجب ہے لیکن جب ان بحثوں کی طرف رجوع کیا جائے جو انبیاء اور ائیمہ علیھم السلام کے معصوم ہونے کے بارے میں کی جاتی ہیں تو اس بات کا جواب مل جاتا ہے اور یہاں بطور خلاصہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ معصومین علیھمُ السّلام ایک طرف تو اپنے اعمال کیوجہ سے ایک قسم کی اکتسابی لیاقت کے حامل ہیں اور دوسری طرف اپنے پروردگار کی طرف سے ذاتی اور وہبی لیاقت رکھتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کیلیے نمونہ و اُسوہ بن سکیں۔

1۔ (تفسیرِ الکاشف ج 6 ص 217)

دوسرے لفظوں میں معصومینؑ کی ہمّت، تائیدالٰہی اور اپنے پاک ایمان کی وجہ سے ایسی ارفع واعلیٰ ہے کہ گناہ پر قدرت واختیار رکھنے کے باوجود گناہ کی طرف نہیں جاتے۔یوں سمجھیے کہ کوئی عقلمند تیار نہیں ہوگا کہ آگ کا انگارہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لے، باوجودیکہ اس میں نہ کوئی جبر ہے نہ اکراہ، یہ ایسی حالت ہے جو کسی قسم کے جبر واکراہ کے بغیر خود انسان کے وجود کے اندر سے اس کے علم و آگاہی اور فطری و طبعی مبادیات کی وجہ سے ابھرتی ہے۔[1]

صاحبِ تفسیرِ انوارُالنجف علامہ حسین بخش جاڑا مرحومؒ تفسیرِ مجمع البیان کے مصنف علامہ طبرسیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اس جگہ یعنی آیت تطہیر میں ارادہ سے مراد اللہ کا ارادۂ تشریعی نہیں ہے بلکہ ارادہ تکوینی ہے۔

اہلُ البیت سے کون مراد ہیں؟:

مفسرِ قرآن شیخ محسن علی نجفی مدظلہ العالی قرآن میں "اھل "کا لفظ جن مختلف معانی(جیسے زوجہ، خاندان، قریبی رشتہ دار ، قبیلہ کے افراد، اولاد ، صاحبِ عمل وغیرہ) کیلیے استعمال ہوا ہے ان کو اور "بیت" کے معنی کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان استعمالات سے یہ بات سامنے آگئی کی لفظ :اھل" کے مطلق استعمال سے معنی و مطلب کا تعین نہیں ہوتا۔جب یہ لفظ (اھل) بیت کی طرف مضاف ہوگا تو "اھل البیت" توسب گھر والے افراد شامل ہوں گے خواہ

1۔(تفسیرِ نمونہ، ج9 ص625)

وہ اس کے نوکر ہی کیوں نہ ہوں لہٰذا لفظ اہل کے دائرہ استعمال کی وسعت کے پیشِ نظر ہر استعمال کے ساتھ ایک قرینہ ہوتا ہے جس سے اس کے اطلاق کی تقیید ہو جاتی ہے۔

شیخ محسن نجفی مدظلہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ درست نہیں کہ معنی کے تعیّن کیلیے ان استعمالات میں سے ایک استعمال کو پیش کیا جائے مثلا یہ کیا جائے کہ قرآن میں ایک دو جگہ "اھل" سے مراد زوجہ لی گئ ہے لہٰذا یہاں بھی زوجات ہی مراد ہیں، جیسا کہ بعض اہلِ قلم ایسا کرتے ہیں۔ اس طرز استدلال کا لازمہ یہ ہوگا کہ اگر ایک دو جگہ "اھل" کا لفظ زوجہ کیلیے استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ اس لفظ سے زوجہ ہی مراد ہو، اس کا کوئ قائل نہیں ہے۔ [1]

جماعتِ اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی آیتِ تطہیر کے ذیل میں ابن ابی حاتم سے رویت نقل کرتے ہیں کہ امّ المومنین حضرت عائشہ سے ایک مرتبہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے متعلّق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تسئلنِی عن رَجُل من اَحَبّ النّاس الیٰ رسولِ اللہ و کانت تحتہ ابنتہ و احب النّاس الیہ، تم اس شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور کی بیوی حضور ﷺ کی وہ بیٹی تھی جو آپ ﷺ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھی"

1 (تفسیرِ الکوثر، ج 7 ص 48)

اس کے بعد حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دعا فرمائی: اللھمّ ھٰولاء اھلُبیتی فَاَذھِبْ عنھم الرّجسَ و طھّرھُمْ تطھیرا، "خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور انہیں پاک کر دے" اس کے بعد حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں یعنی مجھے بھی اس کپڑے میں داخل کر کے میرے حق میں بھی دعا فرمایئے، تو حضور ﷺ نے فرمایا: "تم الگ رہو تم تو خیر ہو ہی"[1]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اہل البیت سے متعلق نظریہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اہل البیت سے متعلق نظریہ یہ ہے کہ جس کا اظہار خود انھوں نے آیتِ تطہیر کے ذیل میں فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں: "اگر کوئی یہ کہے کہ "اہل البیت" کا لفظ (آیتِ تطہیر) میں صرف ازواج کیلیے استعمال ہوا ہے اور اس میں دوسرا کوئی شامل نہیں ہو سکتا تو یہ بات غلط ہو گی۔۔۔اسی طرح ان لوگوں کی رائے بھی غلط ہے جو آیتِ تطہیر میں مزکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر ازواج کو اھل البیت سے خارج ٹھہراتے ہیں"۔[2]

---

1 (تفھیمُ القرآن، ج4 ص93)

2 (تفھیمُ القرآن، ج4 ص93)

یعنی مولانا مودودی کے نظریہ کے مطابق ازواج اور پنجتن پاک دونوں اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کا نظریہ اہل بیت سے متعلق

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ العالیّہ اپنی تفسیرِ موضوعی جو کہ "پیامِ قرآن" کے نام سے مشہور ہے میں آیتِ تطھیر کے ذیل میں" اھل البیت کون ہیں" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "اھل البیت" کا کلمہ اگرچہ مطلق استعمال ہوا ہے لیکن آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ "بیت" سے مراد خانہِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور تمام مفسرین اور علماے اسلام اس مسئلے پر متفق ہیں اہم یہ کہ اہلبیت سے مراد کون سی ہستیاں ہیں آیا اہل بیت میں فقط پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضرت علیؑ، فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ (پنجتن پاک) شامل ہیں ،یا یہ کلمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی شامل ہے؟

تمام شیعہ اور اہلِ سنّت کے کچھ علماء نے پہلے قول کو قبول کیا ہے یعنی یہی پانچ ہستیاں ہی اہلِ بیت میں داخل ہیں اور بس جبکہ اکثر علمائے اہلِ سنت دوسرے قول یعنی پنجتن پاک اور ازواج محترمات دونوں و اہلِ بیت میں شامل ہونے کو اختیار کیا ہے۔

اھلِ بیت سے کون سی شخصیات مراد ہیں صحیح فیصلہ جاننے کیلیے ہم آیتِ شریفہِ تطھیر کی تفسیر اور شانِ نزول کے سلسلے میں وارد روایات کی چھان بین

کرتے ہیں۔ معروف اھل سنّت عالِم علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر دُرّمنثور میں اس آیت کریمہ کے ذیل میں تقریبا بیس (20) روایات نقل کی ہیں جن میں سے پندرہ (15) احادیث میں اہلِ بیت سے مراد پنجتن پاک یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مولا علیؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، اور حسنین کریمین علیہم السلام ہیں، اور قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ یہ سب احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں ان کے راویوں میں ام سلمہ، ابوسعید، سعد، واصل بن اصقع، ابوسعید خدری، انس ابوالحمراء اور ابن عباس رضی اللہ عنھم شامل ہیں[1]

ازواج کا اہل بیت میں سے نہ ہونے پر دلائل:

تفسیرِ انوار النجف کے مصنف علامہ حسین بخش جاڑا صاحب مرحومؒ لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اھل البیت کا مصداق ازواج کو قرار دینے کی کوشش کی ہے (جیسا کی پہلے بیان ہوا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ازواج اور پنجتن پاک دونوں کو اھل البیت میں شامل کرتا ہے) اس مناسبت سے کی اسے پہلے اور اسے بعد کی سب آیات ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلّق ہیں لیکن یہ قول عقلا ونقلا باطل ہے جس کی چند وجوہ ہیں:

1 (تفسیرِ پیامِ قرآن، ج7، ص76)

وجہ اول:

اس سے قبل اور بعد کی آیات کا ازواج کے حق میں ہونے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کیوں کہ پہلی آیات میں ازواج کی طرف راجع (پلٹنے والی) ضمیر جمع مونث کی ہے اور بعد والی آیت میں بھی ہی ہیں لیکن اس درمیان کے حصے میں ضمیروں کا جمع مذکر مخاطب میں بدل جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے مصداق ازواج نہیں بلکہ یہاں کوئی اور ہیں جن میں اکثریت مردوں کی ہے۔

وجہ دوّم:

پہلی آیات میں سرزنش و توبیخ کا پہلو واضح ہے جن میں کھلے طور پر نہ سہی لیکن درپردہ کسی حد تک ازواج کی مذمت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور بعد کی آیت میں بھی ان کو راہِ راست پر گامزن ہونے اور قرآنی ہدایت پر مکمل عمل کرنے کو کہا جارہا ہے جس سے اگر مذمت نہ سہی لیکن مدح بھی تو نہیں سمجھی جاسکتی اور درمیانی حصہ میں مدح کے پہلو کا واضح ہونا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ماقبل ومابعد کا مصداق کوئی اور ہے اور درمیانی حصہ کا مصداق کوئی اور ہے جن کے مدارج و مراتب میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

وجہ سوّم:

آیت مجیدہ میں اپنے مصداق کو معصوم ثابت کرتی ہے اور صحابہ ہوں یا ازواج ان میں سے کسی کی عصمت کسی بھی فرقہ کے نزدیک مسلّم نہیں اور خمسہ طاہرہ (پنجتن پاکؑ) کی عصمت مسلّم ہے لہٰذا ان کے علاوہ اور کوئی بھی اس آیت

مجیدہ کا حقیقی مصداق نہیں ہو سکتا اور ضمیروں کا مذکر ہونا اور آیت میں مدحیّہ پہلو کا واضح ہونا اس مقصد کی واضح دلیل ہے۔

وجہ چہارم:

اربابِ سیَر اور رواۃ حدیث کا اس امر میں اتفاق ہے کہ اس مقام پر اھل بیت سے مراد حضرت محمد ﷺ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زھراءؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں چنانچہ یہ روایات کتبِ فریقین میں حدّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور آیات کی ترتیب میں مقدم و موخر سے مناسبت کا نہ ہونا نرالا نہیں ہے کیونکہ قرآن میں اس قسم کے شواہد بہت موجود ہیں کہ جہاں مقدم کسی مطلب کو لیے ہوئے ہے اور موخر کسی اور معنی کے لیے ہے اور درمیانی حصہ کسی اور مطلب کے لیے ہے۔

حدیثِ ثقلین میں وضاحت:

تفسیرِ برھان میں صحیح مسلم سے منقول ہے کہ زید بن ارقم کہتا ہے کہ مکہ و مدینہ کے درمیان جناب رسالت مآب ﷺ نے مقام غدیر خم پر ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثناء اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا لوگو! میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس خدا کا فرستادہ آئے اور میں تم سے چلا جاؤں پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

انّی تارك فیكم الثقلین اوّلهما كتاب الله فیه الهدیٰ

والنور فخذوا كتاب الله و استمسكوا به فحث علی

کتابِ اللہِ و رغّب فیہ ثُمّ قال و اھلُبیتی اُذکّرکم فی اھلبیتی

،اُذکّرکم فی اھلبیتی۔

"میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں ھدایت ہے اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس کا دامن تھامے رہو اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کتاب سے تمسک رکھنے پر بہت زور دیا اور اس کے بعد فرمایا اور دوسری میری اہل بیت ، میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں تم کو اپنے اہل بیت سے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں"

گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت کے متعلق تاکید فرمائی پس حاضرین میں سے ایک شخص حصین نامی نے راوی حدیث زید بن ارقم سے پوچھا اے زید! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کون لوگ ہیں ؟ کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں نہیں ہیں؟ تو زید بن ارقم نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدقہ حرام ہے[1]

---

1 (تفسیرِ انوار النجف، ج11، ص188تا193)

پاک پیغمبر کا درِ اہل بیتؑ پر سلام عرض کرنا:

ادیبِ اعظم مولانا سید ظفر حسن امروھویؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اہل بیت کا لفظ مطلق ہے لیکن اس کی تعیین پیغمبر اسلام ﷺ کے اس عمل سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ کہ ام المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ آیت تطہیر کے نزول کے بعد چند ماہ تک لگاتار جب نماز صبح کیلئے تشریف لے جاتے تو حضرت علیؑ و حضرت فاطمہ زہراءؑ کے دروازے پر دستک دے کر فرماتے: السّلامُ علیکُم یا اھلَ البیتِ، اَلصلّوٰۃ اَلصلّوٰۃ۔۔

اہل البیتؑ کا کوی فرد مثلِ قرآن ہمیشہ رہے گا:

سید ظفر امروہویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہل بیت کو رکھا ہے اور اس سے پہلے آپ ﷺ نے عترتی کا لفظ بھی فرمایا ہے جس کے معنی ایک اولاد کے ہیں۔ پس ازواج خاندان اہل بیت میں شامل نہیں ہیں دوسرا قرآن جب تک باقی ہے اہلبیتؑ میں سے کسی ایک کا اس کے ساتھ ہر زمانہ میں باقی رہنا ضروری ہے اس لئے ازواج اہل بیت میں داخل نہیں چونکہ وہ تو پہلی صدی ہجری میں ہی وصال فرما گئی ہیں۔

(3)

آیتِ مباھلہ:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ ما جاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعالَوْ نَدْعُ اَبْنآءَنا و اَبْناءكُمْ و نِساءَنا و نِساءكُمْ و اَنفُسَنا و انفسكم، ثمّ نبتهل فَنَجعَلُ لعنةَ اللهِ علی الْكاذبين[1]

ترجمہ: "اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آچکا (کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ ہے) اگر یہ لوگ (نجران کے عیسائی) تم سے ان کے بارے میں جھگڑا کریں تو ان سے کہو آؤ ہم بھی اپنے بیٹوں کو بلائیں تم بھی اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم بھی اپنی عورتوں کو بلائیں تم بھی اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم بھی اپنے نفسوں کو بلائیں تم بھی اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر خدا کے سامنے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں"۔

1 (سورہ آل عمران آیت 61)

آیت مباہلہ کا منظوم ترجمہ:

جناب سید سمیم رجز صاحب نے آیتِ مباہلہ کا منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

تمہیں مل چکا علم و حکمت کا نور
اگر بحث اب بھی کریں بے شعور
نقیبوں سے ان کے کہو بر ملا
کہ میدان میں آکر کرو فیصلہ
میں آتا ہوں بیٹوں کو لے کر ادھر
تم اپنے پسر لے کے نکلو ادھر
میرے ساتھ آتی ہیں کچھ عورتیں
تمھاری جو حامی ہیں وہ بھی بڑھیں
میں لاتا ہوں کچھ اپنی جانوں کو ساتھ
بڑھو تم سجیلے جوانوں کے ساتھ
ساتھ کریں پھر یہ مل کر سبھی
کہ جھوٹوں پہ لعنت ہو اللہ کی

مباہلہ کا واقعہ:

مفسر قرآن شیخ محسن علی نجفی مدظلہ آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت مجیدہ تاریخِ اسلام کے ایک نہایت اہم واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو واقعہ

مباہلہ کے نام سے مشہور ہے اور داعی اسلام کی حقانیت کی ایک واضح اور نا قابل تردید دلیل ہے۔

فتحِ مکہ کے بعد غلبہ اسلام کا دور شروع ہوا اور اسلام نے جزیرہ ہائے عرب سے باہر پھیلنا شروع کیا، چنانچہ ہرقل روم، کسرائے ایران، مقوقس، حارث شاہ حیرہ، شاہ یمن اور شاہ حبشہ تک اسلام کی دعوت پہنچ گئی۔

نجران کے مسیحی ان حالات سے بہت پریشان ہوئے اتنے میں ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعوتِ اسلام پہنچ گئی۔

نجران کے مسیحی پادریوں میں بے چینی پھیل گئی۔ ان کے بعد اربابِ حل و عقد اور سرداران قبائل ایک جگہ جمع ہوگئے اور اسلام سے بچنے کی تجاویز زیر غور آئیں اس گرما گرمی بحث میں کچھ لوگ اسلام کے حق میں موقف رکھتے تھے، لیکن اکثر لوگ اسلام کے خلاف سخت موقف رکھتے تھے۔

آخر میں اپنے رہنماؤں السیّد اور العاقب کی رائے معلوم کی تو ان دونوں نے کہا: دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت معلوم ہونے تک اپنے دین پر قائم رہیں ہم خود یثرب جا کر قریب سے دیکھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا دین لایا ہے۔

چنانچہ السید اور العاقب اپنے مذھبی پیشوا ابو حاتم کی معیّت میں چودہ رکنی وفد کے ہمراہ سترہ افراد کے ساتھ یثرب کی طرف راونہ ہوئے۔

یہ لوگ نہایت نفیس لباس زیب تن کئے ہوئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ شہر میں داخل ہوئے۔ اہلِ مدینہ کا کہنا تھا: مارئینا وفدا اجمل من هٰیؤلاء ہم نے ان سے زیبا وفد نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ مسجد نبوی میں

داخل ہوئے تو ان کی عبادت کا وقت آگیا۔ ناقوس بجا اور انھوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے عبادت شروع کر دی۔ لوگوں نے روکنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے منع فرمایا۔

ایک اہم نکتہ:

شیخ محسن علی نجفی مد ظلہ لکھتے ہیں کہ یہ آزادیِ عقیدہ و عمل کا بے مثال نمونہ ہے کہ مسجدِ نبوی ﷺ کی چاد دیواری کے اندر غیر مسلموں کو اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کرنے اور اعمال بجالانے کی آزادی دی گئی، جبکہ یہ لوگ (عیسائی وفد والے) تو رسالتِ محمدی ﷺ کے منکر تھے۔ عقیدے کے معمولی اختلاف پر دیگر مسلمانوں کو واجب القتل قرار دینے والے دہشت گردوں کی پالیسی اور رسولِ رحمت ﷺ کی پالیسی میں کس قدر فاصلہ نظر آتا ہے۔

الغرض انہیں تین دن کی مہلت دے دی گئی ۔ تینذ روز کے بعد حضور ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: مسیح کے بعد آنے والے نبی سے متعلق توریت میں موجود تمام اوصاف آپ ﷺ کے اندر موجود ہیں سوائے ایک صفت کے جو سب سے اہم ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ مسیح کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی تکذیب کرتے ہیں، انہیں بندہِ خدا سمجھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: میں عیسیٰؑ کی تصدیق کرتا ہوں، ان پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی مرسَل اور عبد خدا تھے۔

وفد: کیا وہ مردوں کو زندہ نہیں کرتے تھے؟ مادر زاد اندھوں کو بینائی نہیں دیتے تھے؟ اور برص کے مریضوں کو شفاء نہیں دیتے تھے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یہ سب باذنِ خدا انجام دیتے تھے۔

وفد: مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے، بھلا کوئی بندہ بغیر باپ کے پیدا ہوتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اسے مٹی سے خلق فرمایا اور پھر حکم دیا: بن جاؤ تو وہ بن گیا۔

نجران کا عیسائی وفد اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا، انہوں نے دلیل و برہان کو قبول نہیں کیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت مباھلہ کا نزول ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت پڑھ کر حاضرین کو سنائی اور فرمایا: اگر تم ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھارے ساتھ مباھلہ کروں۔

عیسائی وفد والے اپنے ٹھکانے واپس چلے گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ کل دیکھو کہ وہ کس قسم کے لوگوں کے ساتھ مباہلے کیلئے نکلتے ہیں۔ اپنے سارے پیروکاروں کے ساتھ؟ یا اپنے بڑے اصحاب کے ساتھ؟ یا اپنے قریبی رشتہ داروں اور تھوڑے دیندار لوگوں کے ساتھ؟۔

اگر یہ جمعیّت کی معیّت میں جاہ وجلالت کے ساتھ شاہانہ انداز میں نکلتے ہیں تو کامیابی تمہاری ہے۔ اگر تواضع کے ساتھ چند ہی لوگوں کو لے کر نکلتے ہیں تو یہ انبیاء کی سیرت ہے اور ان کے مباہلے کا انداز ہے، اس صورت میں تمہیں مباہلے سے گریز کرنا چاہیے۔

دوسری طرف رات بھر مسلمانوں آپس میں قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ کل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ابناءنا" ،" نساءنا "اور" انفسنا" میں کن کن ہستیوں کو شامل فرمائیں گے ؟

فیصلہ کُن روز:

24 ذی الحجہّ کی صبح طلوع ہوئی اور حق و باطل میں ھمیشہ ہمیشہ کیلیے فیصلہ کُن دن آگیا۔ نجران کے عیسائی وفد کے دیگر ارکان یعنی قبائل کے سردار بھی بہترین لباس زیب تن کیے نہایت تنزک واحتشام کے ساتھ ہمراہ تھے۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمینؑ کا ہاتھ پکڑے نکلے پیچھے فاطمہ زہراءؑ اور ان کے پیچھے حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے۔اس کساء (چادر) کے نیچے پانچوں تن تشریف فرما ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں دعا کرتا ہوں تم نے آمین کہنا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے السّید اور العاقِب کو مباہلے کی دعوت دی۔ ان دونوں نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے ہمارے سا تھ مباھلہ کر رہے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُباھِلُکم بِخیرِاھلِ الارض

میں اہل ارض میں سے سب سے افضل لوگوں کو لے کر تمھارے ساتھ مباہلہ کر رہا ہوں۔

یہ دونوں اپنے اسقف (پادری) کے پاس لوٹ گئے اور اس سے پوچھا: آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ پادری نے کہا: انیّ لاریٰ وجوها لو سئل الله بها ان یزیلَ جبلاً من مکانه لازاله میں ایسے نورانی چہرے دیک رہا ہوں کہ اگر یہ شخص (محمد ﷺ) ان کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کرے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ضرور ہٹ جائے گا۔

خبردار! ان کے ساتھ ہر گز مباہلہ نہ کرنا ورنہ روئے زمین پر قیامت تک کوئی نصرانی نہیں رہے گا چنانچہ وہ مباہلہ کی جرات نہ کر سکے اور جزیہ دینے کا معاہدہ کر کے واپس چلے گئے۔[1]

تفسیر مظہری میں واقعہ مباہلہ:

معروف اہل سنت مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی "تفسیر مظہری" میں آیت مجیدہ مباہلہ کے ذیل میں مسلم شریف اور صحیح ترمذی سے ایک روایت نقل لکھتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے حوالے سے مسلم اور ترمذی نے لکھا ہے کہ اس آیت (مباہلہ) کے نازل ہونے کے بعد رسول خدا ﷺ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور فرمایا: "اے اللہ! یہی میرے اہل بیتؑ ہیں"۔

اس کے بعد قاضی ثناء اللہ پانی پتی مشہور اہل سنت عالم بَغوِی سے نقل کرتے ہیں کہ جب نجران کا وفد کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے آیت مباھلہ

---

1 (تفسیرِ الکوثر، ج 2، ص 78)

پڑھی اور ان کو مباھلہ کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ذرا لوٹ کو اس معاملے میں غور کر لیں، ہم کل آئیں گے۔ عاقب جوان سے زیادہ عقلمند تھا اور سوجھ بوجھ والا تھا وفد نے تخلیہ میں ان سے پوچھا عبد مسیح ! آپ کی کیا رائے ہے ؟ عاطف نے جواب دیا برادرانِ عیسائیت تم خوب جان چکے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں۔

خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباھلہ کیا ہو اور پھر ان میں کا بڑا زندہ رہا ہو، یا چھوٹے کو بڑھنے کا موقع ملا ہو یعنی چھوٹے بڑے سب ہی مر جاتے ہیں اب اگر تم نے مباھلہ کیا تو اب تباہ ہو جاؤ گے لہٰذا اگر تم اپنے انکار پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے صلح کر لو اپنے ملک لوٹ جاؤ۔ اس مشورہ کے موافق سب لوگ (عیسائی وفد کے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ صبح کو ہی گھر سے اس حالت میں بر آمد ہو چکے تھے کہ حضرت امام حسینؑ آپ ﷺ کی گود میں تھے، حضرت امام حسنؑ کا ہاتھ ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت فاطمہ زہراءؑ آپ کے پیچھے تھیں اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کے پیچھے حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جب میں جب میں دعا کروں تو تم "آمین" کہنا۔

نجران کے پادری کی پیشنگوئی:

یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا۔ اے گروہ نصاریٰ ! مجھے ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے

گا لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ سب مر جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔

آخر اہل وفد نے کہا اے ابو لقاسم ہماری رائے یہ ہوئی ہے کہ ہم آپ ﷺ سے مباہلہ نہ کریں آپ ﷺ اپنے مذھب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ جو مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہیں وہ تمھارے بھی ہونگے۔

جب اہل وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اب میری تمھاری جنگ ہو گی، کہنے لگے عرب سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں، ہم آپ ﷺ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ ہم پر نہ لشکر کشی کریں نہ ہی ہم کو خوفزدہ کریں، نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں اور ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے آپ ﷺ کو ادا کرتے رہیں گے ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں۔

حضور ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا:

حضور ﷺ نے اس شرط پر صلح کر لی اور فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اہلِ نجران کے سروں پر عذاب آ ہی گیا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں جیسی ہو جاتیں، ساری وادی بھڑکتی ہوئی آگ سے بھر جاتی، نجران کے رہنے والے یہاں تک کہ

درختوں پر پرندے بھی بیخ و بن سے تباہ ہو جاتے اور سال پلٹنے نہ پاتا سارے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔[1]

تحریک منہاج القرآن کے سربراہ علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری اپنی کتاب "مرجُ البحرینِ فی مناقبِ الحسنینؑ" میں بالترتیب چار روایات شعبی، زید بن ارقم، علباء بن احمر بیشکری اور حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری (رض) کے ذریعے سے اہلِ سنّت منابع سے نقل کرتے ہیں کہ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نجران کا ایک عیسائی وفد حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ ﷺ کی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ روح اللہ، کلمتہ اللہ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس وفد نے آپ ﷺ سے کہا: کیا آپ ﷺ ہمارے ساتھ مباہلہ کرتے ہیں کہ عیسیٰ ایسے نہ تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری مرضی۔ جب آپ ﷺ نے اہل نجران سے مباہلہ کا ارادہ فرمایا تو حسنین کریمینؑ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے لیا اور سیدہ فاطمہ زہراءؑ آپ ﷺ کے پیچھے تھیں اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ ان کے پیچھے تھے لیکن اہل نجران مباہلہ کرنے سے ڈر گئے اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔[2]

---

1 (تفسیر مظہری، ج2 ص173)
2 (مرج البحرین فی مناقب الحسنینؑ ص116، 117)

ابنِ تیمیہ کا واقعہ مباہلہ کو قبول کرنا:

سرکار علامہ سید العلماء سید علی نقی نقنؒ لکھتے ہیں کہ مباہلہ کا واقعہ فریقین (شیعہ وسنّی) کے درمیان متفق علیہ ہے۔ شیخ ابن تیمیہ جیسے متعصب نے بھی اپنی مشہور کتاب "منہاج السنّہ" میں جو ردّ شیعہ کیلیے لکھی گئی ہے اس واقعہ کی صحت اور الفاظِ قرآن کے مصداق میں کہ وہ یہی ہستیاں ہیں کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے مگر انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی بلندی اور رفعت کے اظہار میں انفسنا کا لفظ کی اہمیت کو گھٹانا چاہا ہے کہ اس سے عموما اپنی ہم قوم کے مرد ہوتے ہیں جس میں بلندی اور اوصاف کا لحاظ نہیں ہوتا اور جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری ہے: فاقتلوا انفسکم: اپنے نفسوں کو قتل کرو اور لاتخرجون انفسکم من دیارکم: تم اپنے نفوس کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔

اس کے علامہ نقنؒ لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا جواب علامہ بلاغیؒ نے" آلاء الرحمٰن " میں بالکل صاف دیا ہے کہ نفس کا لفظ جو دوسرے اعزاء و اقارب کا تذکرہ کے ساتھ الگ بولا جائے تو وہاں ہم قوم افراد تھوڑی مراد ہونگے بلکہ اس وقت خود اپنی ذات مراد ہوں گی جیسے سورہ تحریم میں ارشاد خداوندی ہے (قوا انفسکم و اھلیکم نارا) اپنے نفوس اور اپنے عزیز و اقارب کو آگ سے بچاؤ، اسی طرح سورہ شوریٰ میں ارشاد باری ہے: الّذِینَ خسروا انفسھم و اھلیھم؛ جنھوں نے اپنے نفوس اور عزیز و اقارب کو خسارہ میں مبتلاء کیا۔

یہاں ایسا ہی ہے کہ ابناءنا اور نساءنا کے بعد الگ سے انفسنا آیا ہے تو اب اسے تمام ہم قوم کہاں مراد ہو سکتے ہیں؟ یہاں تو جسے انفسنا کہا جائے وہ اس خصوصیت خاص کا حامل ہو گا کہ وہ متکلم کی ذات کا درجہ رکھتا ہے۔[1]

واقعہ مباہلہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ایمانِ قاطع کی دلیل:

مفسر قرآن حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ "تفسیر نمونہ" میں آیت مباہلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شاید مباہلہ کی یہ صورت قبل ازیں عرب میں مروّج نہ تھی اور یہ ایک ایسا راستہ ہے جو سو فیصد پیغمبر اکرم ﷺ کے ایمان اور دعوت کی سچائی کا پتہ دیتی ہے کیسے ممکن ہے کہ جو شخص کامل ارتباط کے ساتھ خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو وہ ایسے میدان کی طرف آئے اور مخالفین کو دعوت دے کہ آؤ! اکٹھے درگاہ خدا میں چلیں اور اس سے درخواست کریں اور دعا کریں کہ وہ جھوٹے کو رسواء کر دے اور پھر یہ بھی کہے کہ تم عنقریب اس کا نتیجہ دیکھ لو گے کہ خدا کس طرح جھوٹوں کو سزا دیتا ہے اور ان پر عذاب نازل کرتا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ ایسے میدان کا رخ کرنا بہت خطرناک معاملہ ہے کیونکہ اگر دعوت دینے والے کی دعا قبول نہ ہوئی تو مخالفین کو ملنے سزا کا اثر واضح نہ ہوا تو نتیجہ دعوت دینے والے کی رسوائی کے علاوہ کچھ نہ ہو گا۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان نتیجے کے متعلق اطمینان حاصل کیے بغیر اس مرحلے میں

---

1 (تفسیر فصل الخطاب، ج 1 ص 487)

قدم رکھے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے دعوتِ مباہلہ اپنے نتائج سے متعلق سے قطع نظر آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت اور ایمانِ قاطع کی دلیل بھی ہے۔[1]

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ایک مشہور اعتراض کیا جاتا ہے -یہ اعتراض فخر رازی اور بعض دوسرے لوگوں نے کیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ "ابناء نا" (ہمارے بیٹے) سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہوں جبکہ ابناء نا جمع ہے اور عربی میں جمع کا لفظ دو کے لیے نہیں ہوتا، اس طرح کیسے ممکن ہے کہ "نساءنا" (ہماری عورتیں) جو جمع کا لفظ ہے صرف شہزادی اسلام حضرت فاطمہ زہراءؑ کے لیے ہو اور یوں ہی " انفسنا" سے صرف مولا علیؑ مراد ہوں؟ تو پھر یہاں جمع کا صیغہ کیوں آیا؟

اس کے جواب میں آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ لکھتے ہیں کہ پہلی بات اس ضمن میں یہ ہے کہ بہت سی احادیث، بہت سے منابع اور معتبر اسلامی کتب جن میں شیعہ سنی سب شامل ہیں یہ بیان ہوا کیا گیا ہے کہ یہ آیت مباہلہ اہلِ بیتؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ان میں تصریح کی گئی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے سوائے حضرت علی ابن ابی طالبؑ، حضرت فاطمہ زہراءؑ، حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسینؑ کے کسی کو مباہلہ کیلیے نہیں لے گئے۔

---

1 (تفسیر نمونہ ج 2، ص 140)

یہ بات آیت کی تفسیر کے لیے خود ایک واضح قرینہ ہے کیوں کہ ہم جانتے ہیں منجملہ ان قرائن کے جو آیات قرآن کی تفسیر کرتے ہیں ایک سنت اور قطعی شان نزول بھی ہے۔

اس بناء پر مزکورہ (فخر رازی وغیرہ کا) اعتراض کے جواب کی ذمہ داری فقط شیعوں پر نہیں ہے بلکہ تمام علمائے اسلام کو اس کا جواب دینا ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جمع کے صیغے کا مفرد اور تثنیہ پر اطلاق کوئی نئ بات نہیں۔ قرآن اور حدیث کے علاوہ ادبیات عرب بلکہ ادبیات غیر ادب میں بھی کثرت سے دکھائی دیتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نصاریٰ سے طے کی گئی قرارداد کے مطابق ذمہ دار تھے کہ اپنے مخصوص خاندان کے تمام فرزند، عورتیں اور وی تمام اشخاص جو آپ ﷺ کی جان کے بمنزلہ ہو، انہیں اپنے ساتھ مباہلہ کیلیے لاتے لیکن ان کا مصداق دو بچوں، ایک خاتون اور ایک مرد کے سواء نہ تھا۔ (غور کیجیے) [1]

آیت مباہلہ کا اہل بیتؑ کی شان میں نزول تواتر سے ثابت ہے:

علامہ جواد مغنیہ اپنی تفسیر الکاشف میں لکھتے ہیں کہ کتب حدیث اور کتب تفسیر میں تواتر کے ساتھ آیت مباہلہ کا اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے۔

---

1 (تفسیر نمونہ، ج 2 ص 144)

آپ اپنی تفسیر مین چند کتابوں کے نام بھی درج فرماتے ہیں جیسے صحیح مسلم، ترمذی شریف، تفسیر طبری ، تفسیر کبیر، البحر المحیط، غرائب القرآن ، روح المعانی، المراغی وغیرہ۔[1]

کیا مباہلہ ایک عمومی حکم ہے:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مندرجہ بالا آیت مباہلہ میں مسلمانوں کو مباہلے کی دعوت نہیں دی گئی بلکہ روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے تاہم یہ بات مخالفین کے مقابلے میں مباہلے کے عمومی حکم سے مانع نہیں یعنی جب دلائل پیش کرنے باوجود دشمن مُصر ہوں اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیں تو کامل تقویٰ اور خداپرستی کے حامل اہل ایمان انہیں مباہلے کی دعوت دے سکتے ہیں اسلامی منابع میں اس ضمن میں مذکورہ روایات سے بھی اس حکم کی عمومیت ثابت ہوتی ہے۔

تفسیر نورالثقلین، جلد 1 ، صفحہ 251 میں امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث منقول ہے۔آپؑ نے فرمایا:

مخالفین تمہاری حق کی باتیں قبول نہ کریں تو انہیں دعوت، مباہلہ دو۔ رادی کہتا ہے کہ میں نے امامؑ سے سوال کیا: کیسے مباہلہ کریں؟ تو امامؑ نے فرمایا تین دن تک اپنی اخلاقی اصلاح کرو، راوی مزید کہتا ہے میرا گمان ہے کہ آپؑ نے فرمایا روزہ رکھو، غسل کرو۔ جس سے مباہلہ کرنا چاہتے ہو اسے صحرا میں لے جاؤ پھر اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اس کے دائیں ہاتھ میں ڈالو اور اپنی طرف سے

---

1 (تفسیر کاشف، ج 2، ص 77)

ابتداء کرو: خداوندا! تو سات آسمان اور سات زمینوں کا پروردگار ہے اور پوشیدہ اسرار سے آگاہ ہے اور رحمٰن اور رحیم ہے میرے مخالف نے اگر حق کا انکار کیا ہے اور باطل کا دعویٰ کیا ہے تو آسمان سے اس پر بلاء و مصیبت نازل فرما! اور اس سے دردناک عذاب میں مبتلاء کر دے۔؛اس دعا کو دہراؤ اور کہو: یہ شخص اگر حق کا انکار کرتا ہے اور باطل کا دعویدار ہے تو آسمان سے اس پر بلا نازل کر دے اور اسے عذاب میں مبتلاء کر دے۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: زیادہ وقت نہیں گذرے گا اس دعا کا نتیجہ آشکار ہوگا۔ خدا کی قسم! میں نے یہ ہرگز ایسا کوئی شخص نہیں پایا جو تیار ہو اس طرح اس کے ساتھ مباہلہ کیا جائے۔

اسلام میں خواتین کا مقام:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدّ ظلہ رقمطراز ہیں کہ ضمنی طور پر اس آیت مباہلہ سے ان لوگوں کو بھی جواب مل جاتا ہے جو سوچے سمجھے اسلام کو مردوں کا دین قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں عورتیں کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن یہ آیت مجیدہ مباہلہ ثابت کرتی ہے کہ خاص مواقع پر اسلامی مقاصد کے پیش رفت کیلئے عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ساتھ دشمن سے مقابلے کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں، بانوئے اسلام جناب فاطمہ زہراءؑ، ان کی دختر

نیک اختر جناب زینب کبریٰؑ اور ایسی خواتین جو ان کے نقش قدم پر چلیں ان کی زندگی کے درخشاں صفحات اس حقیقت پر گواہ ہیں۔ (تفسیر نمونہ، جلد 2، ص 147)[1]

عیسائی وفد کو اپنے عقیدے پر کامل یقین نہ تھا:

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ واقعہ مباہلہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت کے مختلف عقاید میں سے کسی کے حق میں بھی ان لوگوں کے پاس وہ خود اپنی کتب کی ایسی سند نہ پاتے تھے کس کی بناء پر کامل یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکے کہ ان کا عقیدہ امر واقعہ کے عین مطابق تھا پھر نبی ﷺ کی سیرت، اپ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے کارناموں کو دیکھ کر اکثر اہل نجران اپنے دلوں میں آپ ﷺ کی نبوت کے قائل بھی ہوگئے تھے یا کم از کم اپنے افکار میں متزلزل ہو چکے تھے۔ اسلیے جب ان سے کہا گیا کہ آؤ ہمارے ساتھ مقابلہ (مباہلہ) کرو تو ان میں سے کوئی بھی اس مقابلے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس طرح یہ بات تمام عرب کے سامنے کھل گئی کہ نجرانی مسیحیت کے پیشوا اور پادری جن کے تقدس کا سکہ دور دور تک رواں تھا، در اصل ایسے عقائد کا اتباع کر رہے ہیں جن کی صداقت پر خود انہی (پادری) کو کامل اعتماد نہیں ہے۔[2]

---

1 (تفسیر کاشف، ج 2، ص 77)

2 (تفہیم القرآن، ص 260)

"خورشید خاور" کے مصنف حجۃ الاسلام و سلطان الواعظین آقای سید محمد شیرازیؒ لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اقسم باللہ الذی بعثنی بالنبوۃ و جعلنی خیر ال بریۃِ انک الحجۃ اللہ علی خلقہ و امینہ علیٰ سرہ و خلفۃ اللہ علیٰ عبادہِ قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے نبوت کے ساتھ مبعوث کیا اور مجھ کو بہترین خلق قرار دیا۔ در حقیقت تم (اے علیؑ) خدا کی حجت ہو اس کی مخلوق پر، اور اس کے امانت دار ہو اس کے راز پر اور خلیفہ خدا ہو اس کے بندوں پر۔

آپ لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اخبار و احادیث صحاح اور آپ کی معتبر کتابوں میں بکثرت وارد ہوئی ہیں جو آپ کی نظر سے (یعنی اہل سنت مد مقابل سنی عالم سے کہ رہے ہیں جس کے سوال پر یہ جواب دے رہے ہیں) گزر چکی ہونگی یا آیندہ گزرینگی تو تصدیق کرینگے کہ یہ سب اس مجاز کا قرینہ ہیں پس کلمہ کلمہ انفسنا نسبی، ظاھری، باطنی علمی، عملی اور عملی کمالات میں حضرت علیؑ کے انتہائی ارتباط اور ابعاد پر واضح دلالت کرتا ہے۔

آپ (اہل سنت عالم سے فرما رہے ہیں) چونکہ اہل علم ہیں لہٰذا امید ہے کہ ان شاء اللہ ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ رہ کر تسلیم کریں گے کہ یہ آیت شریفہ مباہلہ مطلب و مقصود کے اثبات میں ایک قاطع دلیل ہے اور اسی آیت سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ علیؑ سواء کوئی نبوت خاصہ اور نزول وحی کے بحکم آیت مجیدہ انفسنا خاتم الانبیاء کے ساتھ تمام کمالات میں شریک تھے تو معلوم ہوا کہ آپؑ کے کمالات، مراتب اور خصائص میں سے جملہ صحابہ اور امت پر افضل ہونا ہے اور نہ صرف صحابہ و امت پر افضل تھے بلکہ اسی آیت مباہلہ کی دلیل اور عقل

کے حکم سے انبیاء پر بھی بلا استثنیٰ افضل ہونا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء امت سے افضل تھے۔

حضرت علیؑ سوائے پیغمبر اسلام کے جمیع انبیاء سے افضل ہیں:

آقای شیرازیؒ اہل سنت عالم کو مخاطب کرے کہتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ آپ کی کتابیں جیسے اِحیاء العلوم امام غزالی، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، تفسیر کبیر امام فخر رازی، تفسیر زمخشری و بیضاوی و نیشاپوری وغیرہ مطالعہ فرمایئے تو نظر آئے گا کہ رسول اکرم ﷺ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے: علماءُ امّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہیں اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے: علماءُ امّتِی افضل من انبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل سے افضل و بہتر ہیں۔

اب از رائے انصاف کہنا پڑے گا کہ جب اس امت کے علماء محض اس وجہ سے کہ ان کا علم سرچشمہِ علمِ محمدی ﷺ کا فیض ہے انبیاے بنی اسرائیل کے مثل یا ان سے افضل و بھتر قرار پائے تو علی ابن ابی طالبؑ تو یقینا ان سے افضل ہوں گے کیوں کہ ان کیلیے قولِ رسول ﷺ کی یہ نص موجود ہے جس کو اھلِ سنت بڑے علماء نے نقل کیا ہے کہ انا مدینة العلم و علی بابھا و انا دار الحکمة وعلی بابھا میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں اور میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ اور اس میں ہر گز کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا

خود حضرت علیؑ سے جب اس موضوع یعنی افضیلت علیؑ از باقی انبیاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے اپنی افضیلت کے بعض پہلو ظاہر فرمائے۔[1]

آیت مباہلہ کے یقینی اور قطعی نتائج:

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروھویؒ آیت مباہلہ کے چند یقینی اور قطعی نتائج کو ذکر فرماتے ہیں:

(1) حضرت اپنے اہل بیتؑ کو ساتھ لے کر چلے تھے تو فرمایا تھا کہ جب میں بددعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو اپنی بددعا کے رد نہ ہونے کا یقین تھا اسی طرح اپنے اہل بیتؑ کی آمین کے رد نہ ہونے کا بھی یقین تھا۔

(2) جب حضور ﷺ بددعا کیلیے خود ہی کافی تھے تو اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیوں لے گئے اس کی دو ہی دجوہات ہوسکتی ہیں:

اول یہ دکھانا مقصود تھا کہ یہ شریکِ کارِ رسالت ہیں۔

دوم میری رسالت کے معصوم گواہ ہیں ان کی اور میری عظمت میں کوی فرق نہیں یہ میرے نور کے ٹکڑے ہیں ہم ایک جان پانچ قالب ہیں۔

(3) میں ہدایت کا پورا بندوبست اپنے ساتھ لے کر جارہا ہوں حسنؑ اور حسین بچوں کے لیے، فاطمہ زہراءؑ عورتوں کیلیے اور علی مرتضیٰؑ جوانوں کیلیے اور میں من المجموع سب کے لیے ہادی ہوں۔ گویا کہ میرے گھر میں انسان کے ہر

---

1 (خورشید خاور، ج1 ص 292)

طبقہ کی ہدایت کا سامان موجود ہے یہی وجہ تھی کہ خدا نے آیت مباہلہ میں ان سب کو ساتھ لے کر جانے کا حکم دیا۔ ورنہ نصاریٰ سے مقابلہ کے لیے صرف رسول ﷺ کافی تھے بچوں اور عورتوں کا اس سے تعلق نہ تھا۔

(4) یہ بھی بتانا تھا کہ آیت یاَیھا الذین آمنوا اتقواللہ و کونوا مع الصادقین میں صادقین کے مصداق یہی ہیں کیونکہ نصاریٰ نے مباہلہ سے گریز کی تو گویا اپنے کو کاذب تسلیم کیا۔ اس صورت میں ان کا مقابل (اہل بیتؑ) صادق قرار پایا۔

(5) اب کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہے کہ حسنینؑ کریمین فرزندان رسول ﷺ نہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا یہ جانتے ہوئے کہ رسول کے بیٹے نہیں ہیں بیٹوں کو شریک مباہلہ کرنے کا ذکر آیت میں کیوں کرتا۔

(6) اب کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ علیؑ نفس رسول ﷺ نہیں اگر آیت میں انفسنا سے مراد خود رسول ﷺ ہو تو حضور ﷺ اپنے ساتھ ایک ایسے شخص کو کیوں لے کر گئے جس کے لے جانے کا آپ ﷺ کو حکم نہ تھا اور خدا نے ٹوکا کوں نہیں کی میری مرضی کے خلاف کیوں علیؑ کو لے جا رہے ہو۔

(7) اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانون میں ان چار افراد کے سواء جو رسول ﷺ کے ساتھ ہیں اور کوئی مسلمان نہ تھا جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور کبھی حضور ﷺ کی صداقت میں ہلکا سا شک بھی نہ کیا ہو۔

(8) یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے چہرے پر صداقت کا نور اس حد تک چمکتا تھا کہ کفار بھی اس سے دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ مقربانِ بارگاہِ ایزدی ہیں ان کی کوئی درخواست بارگاہ ایزدی سے بغیر قبول ہوئے نہیں رہ سکتی۔

(9) یہ بھی معلوم ہوا کہ نفس واحد پر جمع کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسے علیؑ، فاطمہ زہراءؑ کیلیے نساء نا اور انفسنا کا لفظ بولا گیا بس اسی سے آیت انما ولیکم اللہ میں تعظیما حضرت علیؑ کیلیے جمع کے صیغے لائے گئے ہیں۔ (تفسیر القرآن امروھوی، ج 1، ص 221)

(10) علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم لکھتے ہیں نصاریٰ نجران کی تفہیم کیلیے جب قرآن کی پیش کردہ دلیل و برہان کارگر نہ ہوئی تو میدان مباہلہ کی تشکیل دیتے ہوئے عترت طاہرہ کو پیغمبر اکرم ﷺ کا ساتھ لے جا کر حق و باطل کے درمیان امتیازی نشان قائم کرنا قیامت تک امت اسلامیہ کیلیے دعوتِ فکر ہے کہ جس طرح نصرانیوں کے مقابلہ میں یہ لوگ رسول ﷺ کے شریکِ کار ہیں اور صرف قرآنی ادلہ پر اکتفاء نہیں کیا جا سکتا اسی طرح تا قیامت اہل الاسلام کیلیے بھی ان کی قیادت ضروری ہے اور صرف کتاب سے (حسبنا کتاب اللہ کہ کر) تمسک کر کے اہل بیتؑ کو نظر انداز کرنا یقینا درست نہیں ہے۔

(11) جاڑا صاحب لکھتے ہیں کہ جناب خاتون جنتؑ کو درمیان میں رکھنے سے مقام عمل میں مخدومہ کائناتؑ کے پردہ کی اہمیت کو بھی واضح کرنے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے تا کہ اگر سامنے نصاریٰ نظر اٹھا کر ادھر دیکھیں تو ان کے آگے رسالت کی نوری دیوار حائل ہو جائے اور پیچھے سے مسلمان جاتے ہوئے

دیکھیں تو ان کے سامنے امامت کا پردہ آ جائے اور عصمت مآب بی بیؑ پر کسی نا محرم کی نظر نہ پڑ سکے حتیٰ قدموں کے نشان بھی رسالت اور مامت کے نقوشِ پا کے درمیان مستور ہو کر رہ جائیں۔

(12) اس پورے واقعہ اور قرآنی فرمان میں تدبر کرنے سے انسان بخوبی و بآسانی اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ان کے مقابلے میں آنے والے جھوٹے اور مستحقِ لعنت تھے اور قصہ کس تعلق اگرچہ صرف ایک واقعہ سے ہے لیکن قرآن کا پورے اہتمام کے ساتھ ان کی صداقت اور ان کے مد مقابل کے جھوٹ کا اعلان کرنا اس امر کا کاشف ہے کہ ان کی صداقت صرف جزوی واقعہ میں منحصر نہیں تھی اور ان کا دعوت اسلام اور دعوائے عبدیت عیسیٰؑ میں جناب رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شریک کار ہونا بھی اسی کا کاشف ہے ورنہ اگر ان میں صداقت کا وجود صرف اسی دن کیلیے ہوتا تو یقیناان کا انتخاب اس قسم کے اہم مقابلہ کیلیے ناموزوں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ واقعہ صرف ایک ان کی صداقت کے اعلان کا بہانہ تھا ورنہ تمام صحابہ کرام میں سے کوئی آدمی ایسا موجود نہ تھا جو فضیلت میں کا کا ہم پلہ ہوتا۔[1]

ایک غلط تاویل اور اس کا جواب:

تفسیر انوار النجف کے مصنف علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم بعض اہل سنت علماء کی اس تاویل کو لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دیگر جلیل القدر اور اکابر

1 (تفسیر انوار النجف، ض 3 ص 249)

صحابہ کرام جو اس وقت موجود تھے اسی طرح زوجات محرمات بھی سب کے ساتھ مذکورہ دعویٰ اور دعوت میں شریکِ رسول تھے اور ان کو پورا پورا اطمینان حاصل تھا اور میدانِ مباہلہ میں جانے کے اہل تھے لیکن چونکہ وہاں صرف نمونہ کے مختصر افراد کو لے جانا تھا اس لیے جناب رسالت مآب ﷺ نے حسنین کریمینؑ ، حضرت فاطمہ زہراءؑ اور حضرت علیؑ کے لے جانے پر اکتفاء کیا ! !

پھر خود ہی علامہ حسین بخش جاڑاؒ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابناء ، نساء اور انفس کی اضافت جو مفید استغراق ہے نمونے کے طور پر چند افراد کو ہمراہ لے جانے کے خلاف ہے اور اگر بالفعل استغراق نہ مانا جائے تب بھی جمع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نمونہ کیلیے بھی لے جانا تھا تو کم از کم اتنے افراد کا انتخاب ہر صنف سے ضروری تھا کہ اقل جمع (تین ، تین) تو صادق آسکتی۔

پس اس صورت میں ابناء کیلیے تین ،اور نساء کیلئے تین البتہ انفس کیلئے صرف ایک اور بڑھانا پڑتا کیونکہ آپ ﷺ خود بنفس نفیس ملکر تین ہو جاتے پس اس طرح نہ ہونا بتلاتا ہے کہ اس میدان میں سوائے ان ہستیوں (پنجتن پاکؑ) کے جانے کا کوئی دوسرا اہل نہیں تھا۔[1]

---

1 (تفسیر انوار النجف، ج 3 ص 249)

(4)

آیتِ ولایت:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ[1]

ترجمہ: تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔

1 (سورہ المائدہ آیت 55)

حضرت علیؑ کا انگشتری صدقے میں دینا:

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مد ظلہ تفسیر نمونہ میں آیت ولایت کے ذیل میں تفسیرِ مجمع البیان اور دوسری کتب سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے کہ روز میں زمزم کے کنویں کے پاس بیٹھا تھا اور لوگوں کو ارشاداتِ رسول ﷺ سنا رہا تھا کہ اچانک ایک شخص قریب آیا، اس کے سر پر عمامہ تھا، اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

جب میں پیغمبر اسلام ﷺ سے کوئی حدیث نقل کرتا تو وہ بھی قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر دوسری حدیث رسول ﷺ بیان کر دیتا۔ ابن عباس نے اس شخص کو قسم دی کہ وا اپنا تعارف کروائے تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور پکار کر کہا: اے لوگو! جو شخص مجھے نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں ان کانوں سے میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور اگر میں جھوٹ بولوں تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی قاید البررہ و قاتل الکفرہ و منصور من بصرہ و مخذول من خذلہ، علیؑ نیک اور پاک لوگوں کے قائد ہیں اور کفار کے قاتل ہیں جو ان کی مدد و نصرت کر خدا اس کی مدد کرے گا اور جو شخص اس کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لے خدا بھی اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا۔

اس کے بعد ابوذر نے مزید کہا کہ: اے لوگو! ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا ایک سائل مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا اور لوگوں سے مدد طلب کی لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا تو اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی

طرف بلند کر کے کہا: خدایا! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے رسول ﷺ کی مسجد میں مدد طلب کی لیکن کسی نے مجھے جواب تک نہیں دیا۔ایسی حالت میں جبکہ حضرت علیؑ رکوع میں تھے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا، سائل قریب آیا اور انگوٹھی آپؑ کے ہاتھ سے اتار لی، پیغمبر خدا ﷺ نے جو حالتِ نماز میں تھے اس واقعہ کو دیکھ لیا جب اپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سر آسمان کی طرف بلند کیا اور اس طرح کہا: خدایا! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ ان کی روح کو وسعت دے، اور ان کے کام ان پر آسان کر دے اور ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی گفتار کو سمجھ سکیں۔ نیز موسیٰؑ نے سوال کیا تھا کہ ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر اور یاور و مددگار قرار دے اور ان کے ذریعے ان کی قوت میں اضافہ فرما اور انہیں ان کے کاموں میں شریک کر دے، خدایا! میں محمد ﷺ تیرا رسول اور برگزیدہ ہوں میرے سینے کو کھول دے، میرے کام آسان کر دے اور میرے خاندان میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنادے تاکہ اسکی دجہ سے میری کمر مضبوط اور قوی ہو جائے۔

ابوذر کہتے ہیں ابھی پیغمبر اکرم ﷺ کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ جبرائیل امینؑ نازل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا پڑھیے! حضور ﷺ نے فرمایا: کیا پڑھوں تو جبرائیل نے کہا: پڑھیے إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ [1]

---

1 (تفسیرِ نمونہ، ج3، ص149)

حضرت علیؑ کا ولی ہونا:

مشہور مفسر ملا فیض کاشانیؒ کتاب مجالس کے حوالے سے اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ سے اللہ کے قول: انما ولیکم اللہ کے ذیل میں روایت ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: کہ ہیودیوں کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا جن میں عبد اللہ بن سلام، اسد ثعلبہ، ابن یامین اور ابن صوریا شامل تھے وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ حضرت موسیٰؑ نے یوشع بن نون کو اپنا وصی بنایا تھا یا نبی اللہ ﷺ! آپ ﷺ کا وصی کون ہے؟ اور آپ ﷺ کے بعد ہمارا ولی کون ہوگا؟ تو (امام باقرؑ فرما رہے ہیں کہ) اس وقت آیت ولایت (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ) نازل ہوئی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور وہ اٹھ گئے اور مسجد کی جانب روانہ ہوئے تو کیا دیکھا کہ ایک سائل مسجد سے نکل رہا ہے تو آپ ﷺ نے پوچھا کس نے انگوٹھی دی ہے؟ تو وہ بولا اس شخص نے جو نماز پڑھ رہا ہے تو آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا اس نے کس عالم میں انگوٹھی دی؟ اس نے کہا حالتِ رکوع میں تو نبی اکرم ﷺ نے تکبیر بلند کی اور مسجد میں موجود تمام لوگوں نے تکبیر کہی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ علی ابن ابی طالبؑ میرے بعد تمھارے ولی ہوں گے انھوں نے کہا: رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا و بعلی ابن ابی طالب ولیا "ہم اللہ کے رب

ہونے 'اسلام کے دین ہونے' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے اور علی ابن ابی طالب کے ولی ہونے پر راضی ہیں " تو اس وقت اللہ نے یہ آیت ﴿وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ﴾ نازل ہوئی۔ [1]

حضرت علیؑ بعد از رسول خلیفہ اور امام ہیں :

مرحوم ملا فیض کاشانیؒ امام محمد باقرؑ سے ہی ایک اور روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اللہ کے قول : یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ کے ذیل میں فرمایا کہ میں اس آیت کے شان نزول کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جبرائیل امین میرے پاس آئے اور میرے ربّ کے سلام کا حکم لے کر آئے اور وہ سلام یہ ہے کہ میں اس مقام پر کھڑا ہو جاؤں اور ہر گورے اور کالے کو آگاہ کروں کہ علی ابن ابی طالبؑ میرے بھائی، میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ تمھارے ولی ہیں، اللہ تعالیٰ اس بارے میں قرآن کریم میں آیت نازل فرمائی ہے ولایت (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ) اور علی ابن ابی طالبؑ وہ ہیں جنھوں نے نماز قائم کی اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دی اور وہ ہر حال میں مرضی مولا کے خواہوں رہے۔ [2]

---

1 (تفسیر صافی، ج2ص 523)

2 (تفسیر صافی، ج2، ص522)

وَهُمْ رَاكِعُونَ کا واوٗ حالیہ ہے عاطفہ نہیں:

صاحب تفسیر فصل الخطاب سرکار علامہ سید العماء سید علی نقی نقنؒ مذکورہ آیت کے ذیل مین فرماتے ہیں کہ یہ مشہور و معروف آیت ولایت ہے جو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر اکثر مفسرین اہل سنت نے اس واقعہ سے آیت کو غیر متعلق بنانے کیلیے "واوٗ" کو عاطفہ کا لے لیا ہے اس طرح یہ معنی ہونگے کہ نماز ادا کرتے ہیں اور خیرات دیتے ہیں اور وہ رکوع کیا کرتے ہیں، حالانکہ وھم راکعون کا واوٗ حالیہ ہے عاطفہ نہیں اس وجہ یہ ہے کہ واوٗ کو عاطفہ ماننے کی صورت میں یقیمون الصلوٰۃ کے بعد آخر میں وھم راکعون کے جملہ کی کوئی افادیت ہی باقی نہیں رہتی۔[1]

ولایت اور حاکمیت منحصر ہے تین ہستیوں میں:

فقیہ اہل بیت آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دامت برکاتہ اپنے مترجم قرآن میں آیت مبارکہ ولایت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ اس آیت میں خداوند عالم نے تین ہستیوں کی ولایت اور حاکمیت کا علان کیا ہے:

(1) اللہ تعالی

(2) اس کا رسول ﷺ

---

1 (تفسیر فصل الخطاب، ج 1 ص 734)

(3) اور وہ اہل ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکٰوۃ ادا کرتے ہیں۔ خدااور اس کے رسول ﷺ میں توامت مسلمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ تیسرے بزرگوار کے بارے میں ہے کہ اس سے کون مراد ہے؟

شیعہ و سنی کی تفسیر و حدیث کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مفسرین کی اکثریت تسلیم کرتی ہے کہ اس سے مراد حضرت علیؑ ہیں، جنھوں نے مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھتے وقت حالت رکوع میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔

واضح رہے کہ یہاں لفظ ولی کے معنی کی بحث بالکل عبث ہے

علیؑ مولا باآں معنی کی پیغمبر ﷺ بود مولا

لفظ مولا اور ولی یہاں اولی بالتصرف کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے کما ھو اوضح من ان یخفی۔[1]

صاحب تفسیر مظہری کا موقف:

اہل سنت مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں آیت ولایت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بیضاوی نے لکھاہے کہ اگر روایت سے ثابت ہو جائے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے متعلق نازل ہوئی ہے تو صیغہِ جمع کا استعمال دوسروں

---

1 (مترجم قرآن، ص250)

کو ترغیب دینے کے لئے ہے کہ وہ بھی حضرت علیؑ کی طرح کریں اور اسی حکم میں شامل ہو جائیں۔

اس کے بعد ثناء اللہ پانی پتی صاحب لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں اگر حضرت علیؑ مراد ہوں تو اس صورت میں لفظ انّما سے جو حصر ہو رہا ہے وہ حقیقی نہ ہو گا بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابل ہو گا، ان کی نفی ہو جائے گی اور دوسرے مومنوں کی نفی نہ ہو گی جیسے مَا محمّد الّا رَسُوْل میں حصر اضافی ہے[1]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب کی قابل غور بات:

قاضی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں ایک چیز طالبِ جواب ہے کہ قاضی صاحب نے بیضاوی سے نقل کیا ہے کہ "اگر ثابت ہو جائے کہ آیت ولایت حضرت علیؑ کے متعلق نازل ہوئی ہے تو جمع کے صیغے دوسروں کو حالت رکوع میں زکٰوۃ دینے کیلیے ترغیب دینے کیلیے ہے تاکہ وہ بھی اس حکم میں شامل ہو جائیں"

تو عرض یہ ہے کہ اس ترغیب پر عمل تو ہوا پر آیت نہ اتری جیسا کہ علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم لکھتے ہیں کہ: ہاں ہاں!! دوسرے لوگوں نے بھی اس کے بعد خیرات جاری رکھی لیکن آیت کوئی نہ اتری چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ میں نے چالیس روز تک انگوٹھی دی تاکہ حضرت

1۔(تفسیر مظہری، ج3، س344)

علیؑ کی طرح میرے حق میں بھی کوئی آیت اترے اور حکم میں میں بھی علیؑ کے ساتھ شامل ہو سکوں لیکن افسوس کہ نازل نہ ہوئی۔[1]

حضرت علیؑ کا خلیفہِ بلا فصل ہونا ثابت ہے:

حافظ سید فرمان علیؒ اپنے مترجَم قرآن صفحہ 139 میں آیتِ ولایت کے حاشیے میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیت بالاتفاق شیعہ و سنی موافق و مخالف حضرت علیؑ کی شان میں میں نازل ہوئی ہے اس سے حضرت علی ع کا خلیفہِ بلا فصل ہونا تصریحاثابت ہوتاہے۔

ابن تیمیہ کا آیت ولایت کے شان نزول سے انکار:

شیخ محسن علی نجفی مدظلہ لکھتے ہیں کہ ان تمام مفسرین، محدثین، مورخیں اور متکلمین کے مقابلے میں ابن تیمیہ کا یہ قول نہایت قابل توجہ ہے ابن تیمیہ کی نص عبارت یہ ہے: "بعض کذاب لوگوں نے ایک من گھڑت حدیث بنائی ہے کہ یہ آیت (ولایت) علیؑ کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ میں دے دی۔ نول احادیث کے اہل علم کا یہ اجماع ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور اس کا جھوٹ واضح ہے۔ علیؑ نے اپنی انگوٹھی کا کوئی صدقہ نہیں دیا، حدیث کے اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ کہانی من گھڑت جھوٹ ہے اور جمہور امت نے کوئی ایسی روایت سنی ہی نہیں"۔

---

1 (تفسیر انوار النجف، ج 5 ص 130)

اس کے بعد شیخ صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ یہ ہے دیانت اور امانت نقل کرنے میں (ابن تیمیہ جیسوں کی)، گویا کہ ایک درجن سے زائد اصحاب رسول ﷺ اور تقریبا تمام مفسرین اور متکلمین اس امت میں شمار ہی نہیں ہوتے یا اس امتِ محمدی ﷺ کے علاوہ کوئی اور جمہور امت ہے جس نے اس قسم کی روایت سنی ہی نہیں۔[1]

اعتراضات اور ان کے جوابات:

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ لکھتے ہیں کہ بعض متعصب اہل سنت نے آیت ولایت کے حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونے سے انکار کیا ہے (جیسا کہ ابن تیمیہ کے نظریے کو آپ نے اس سے پہلے ملاحظہ فرمایا ہے) اور اسی طرح سے "ولایت" کی تفسیر سرپرستی، تصرف اور امامت کرنے پر بھی اعتراض کیا ہے ان میں سے چند اہم اعتراضات پر ہم یہاں تحقیق کرتے ہیں:

پہلا اعتراض: الذین جمع کا صیغہ ہے:

ایک اعتراض یہ ہے کہ آیت میں "الذین" جمع کا صیغہ ہے لہٰذا اس آیت کو ایک شخص پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے؟

---

1 (تفسیر الکوثر، ج 2، ص 501)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں ایسا بارہا دکھایہ دیتا ہے کہ مفرد کیلیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے مثالیں ملاحظہ ہوں، ایت مباہلہ میں " نساءنا" جمع کی صورت مین ہے جبکہ اس سے مراد جناب سیدہ فاطمہ زہراءؑ ہیں۔ اسی طرح "انفسنا" بھی جمع کا صیغہ ہے مگر مراد صرف علیؑ ہیں۔

پس ایسی تعبیرات موجود ہیں جو جمع کی شکل میں ہیں لیکن ان کیے شان نزول کے مطابق ان سے ایک ہی شخص مراد ہے۔

اعتراض دوم؛حالت رکوع میں زکٰوۃ فعل کثیر کا موجب ہے:

فخر الدین رازی اور بعض دوسرے متعصبین نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت علیؑ تو نماز میں مخصوص توجہ رکھتے تھے اور پروردگار سے مناجات میں مستغرق رہتے تھے یہاں تک کہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حالتِ نماز میں تیر کا پھل آپؑ کے پاؤں سے نکالا گیا لیکن آپؑ متوجہ نہیں ہوئے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپؑ نے سائل کی اواز سن لی اور اس کی طرف متوجہ ہوئے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے اس نکتہ سے غافل ہیں کہ سائل کی آواز سننا اور اس کی مدد کرنا اپنی طرف متوجہ ہونا نہیں بلکہ عین عبادت ہے۔ حضرت علیؑ حالت نماز میں اپنے آپ سے غافل نہ کہ خدا سے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ مخلوق خدا سے غفلت اور بیگانگی در اصل خدا اے

بیگانگی اور غفلت ہے زیادہ واضح لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حالت نماز میں زکٰوۃ دینا عبادت کے اندر عبادت ہے نہ عبادت کے اندر ایک عمل مباح کی انجام دہی۔

فخر رازی کا بے جا تعصب اور اسکا علمی محاکمہ:

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فخر الدین رازی کا تعصب یہاں تک آ پہنچا ہے کہ اس نے سائل کو حضرت علیؑ کے اشارہ کرنے کو کہ وہ خود آکر انگشتری اتار لے "فعل کثیر" قرار دیا ہے جو ان کی نظر میں نماز میں درست نہیں حالانکہ وہ نماز میں ایسے کام انجام دینا جائز سمجھتے ہیں جو اس اشارہ سے کئی درجہ زیادہ ہیں اور اس کے باوجود وہ نماز کے لیے نقصان دہ نہیں۔ یہاں تک کہ حشرات الارض مثلاً سانپ، بچھو کو مارنا، بچے کو اٹھانا، اور بٹھانا یہاں تک کہ شیر خوار بچے کو دودھ پلانے کو تو وہ نماز میں فعل کثیر نہیں سمجھتے پھر صرف ایک اشارہ فعل کثیر کس طرح ہو گیا۔ لیکن جب کسی کی دانشمندی طوفان تعصب میں پھنس جاتی ہے تو پھر ایسے تعصّبات اس کے لیے باعثِ تعجب نہیں رہتے۔

اعتراض سوم: علیؑ پر زکٰوۃ واجب ہی کب تھی:

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ پر کب زکٰوۃ واجب تھی جبکہ وہ مالِ دنیا میں سے اپنے لیے کچھ فراہم ہی نہ کرتے تھے اور اگر اس سے مراد مستحب صدقہ ہے تو اسے زکٰوۃ نہیں کہا جاسکتا؟

جواب

اول تو تواریخ گواہی دیتی ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے بہت سا مال کمایا تھا اور اس سے راہ خدا میں صرف کر دیا تھا یہاں تک کہ مرقوم ہے کہ آپؑ نے ایک ہزار غلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے آزاد کرالیا۔ علاوہ ازیں آپؑ کو مختلف جنگوں سے مال غنیمت میں سے بھی بہت کچھ ملا تھا۔ لہٰذا کچھ ایسا مال یا کوئی چھوٹا سا کھجوروں کا باغ جس کی زکوٰۃ ادا کرنا آپؑ پر واجب ہو اس وقت ہونا کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔ نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زکوٰۃ فوراادا کرنے کا وجوب کی فوریت " عرفی فوریت " ہے جو نماز پڑھتے ہوئے ادا کرنے کے منافی نہیں ہے۔

دوم یہ کہ مستحب زکوٰۃ کو قرآن مجید میں بہت مرتبہ زکوٰۃ کہا گیا ہے بہت سی مکی سورتوں میں یہ لفظ زکوٰۃ ایا ہے جس سے مراد مستحب زکوٰۃ ہے کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ واجب زکوٰۃ کا حکم پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوا۔

اعتراض چہارم: آیت میں ولایتِ بالفعل کا ذکر ہے نہ کہ ولایت بالقوۃ:

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ہم حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل پر ایمان بھی لے آئیں تب بھی یہ بات قبول کرنا پڑے گی کہ کہ اس کا تعلق زمانہ پیغمبر ﷺ کے بعد سے ہے لہٰذا حضرت علیؑ نزولِ آیتِ ولایت کے وقت ولی نہ

تھے؟ دوسرے لفظوں میں اس وقت ان کے لیے "ولایت بالقوہ" تھے "ولایت بالفعل" نہ تھی جبکہ آیت ظاہرا" ولایت بالفعل" کا ذکر کر رہی ہے۔۔!!

جواب

اس کا جواب یہ ہے یہ ہے کہ روزمرہ گفتگو میں ایسی ادبی تعبیرات بہت دکھائی دیتی ہیں لوگوں کیلیے ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جو وہ" بالقوہ" ہیں مثلا انسان اپنی زندگی میں وصیت کرتا ہے اور کسی شخص کو اپنے بچوں کیلیے وصی اور قیم معین کرتا ہے اور اسی وقت سے وصی اور قیم کے الفاظ اس شخص کیلیے بولے جانے لگتے ہیں جبکہ وصیت کرنے والا ابھی زندہ ہوتا ہے۔ شیعہ سنّی طرق سے پیغمبر اکرم ﷺ سے جو روایات حضرت علیؑ کے بارے میں مروی ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپ ﷺ نے انہیں " میرے وصی " اور : میرے خلیفہ " کہہ کر خطاب کیا ہے جبکہ ایسا زمانہ پیغمبر میں ہی تھا۔

بہت سے لوگ اپنے جانشین اپنی زندگی میں نعین کرتے ہیں اور اسی وقت سے ہی اسے جانشین کہنے لگتے ہیں حالانکہ وہ بالقوہ ہی ہوتے ہیں باسلفعل نہیں۔

اعتراض پنجم: خود علیؑ نے آیتِ ولایت سے استدلال کیوں نہ کیا:

کہا جاتا ہے ہے کہ خود حضرت علیؑ نے اس واضح آیت سے استدلال کیوں نہ کیا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ آیت کے شان نزول کے بارے میں وارد شدہ روایات کے بحث میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث متعدد کتب میں خود حضرت علیؑ نے بھی نقل کیا ہے جیسا کہ مسند ابن مردویہ، مسند ابی شیخ اور کنزالعمال میں ہے کہ یہ بات در حقیقت اس آیت سے اپؑ کا استدلال ہی ہے۔

"الغدیر" میں کتاب سلیم بن قلیس ہلالی سے ایک مفصل حدیث نقل کی ہے جس کے مطابق حضرت علیؑ نے میدان صفین میں کچھ لوگوں کی موجودگی میں اپنی حقانیت پر جو دلائل پیش کیے ان میں سے ایک استدلال اسی آیت ولایت سے کیا تھا۔

غایۃالمرام میں ابوذر سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن بھی اس آیت مجیدہ سا ستدلال کیا تھا۔

اعتراض ششم: قبل اور بعد کی آیات دوستی کے معنی میں ہیں نہ کہ اولی بالتصرف:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قبل اور بعد کی آیات سے ولایت و امامت اور اولی بالتصرف والی تفسیر مطابقت نہیں رکھتی کیوں کہ ان میں ولایت دوستی کے معنی میں آئی ہے؟

جواب

اس کو جواب یہ ہے کہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ قرآنی آیات چونکہ تدریجاً اور مختلف واقعات میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان کا ان حوادث اور واقعات سے ہے جن کے سلسلے میں وہ نازل ہوئی ہیں نہ یہ کہ یہ ایک سورۃ کی آیات یا یکے بعد دیگرے آنے والی آیات ہمیشہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں ، یا مفہوم و معنی کے اعتبار سے ہمیشہ نزدیکی رکھتی ہیں ، لہٰذا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو آیات ایک دوسرے کے بعد نازل ہوئی ہیں لیکن ان کا تعلق دو مختلف واقعات سے ہے، مختلف واقعات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دونوں معانی ومفاہیم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔

علاوہ ازیں اتفاق کی بات یہ ہے کہ زیر بحث آیت گزشتہ اور پیوستہ آیات سے مناسبت بھی رکھتی ہے کیونکہ دوسری آیات میں ولایت بمعنی دوستی اور مدد کے گفتگو ہے جبکہ زیر بحث آیت میں ولایت رہبری اور سرپرستی کے مفہوم میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ ولی، سرپرست اور متصرف اپنے پیروکاروں کا دوست اور یاور و مددگار ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں دوست اور مددگار ہونا ولایت مطلقہ کے کوائف اور اوصاف میں سے ہے۔

اعتراض ہفتم: علیؑ کے پاس ایسی قیمتی انگشتری کہاں سے آئی؟

کہا جاتا ہے کہ ایسی گراں قدر انگوٹھی جو تاریخ نے بیان کی ہے حضرت علیؑ کہاں سے لائے تھے؟ علاوہ ازیں غیر معمولی انگوٹھی پہننا اسراف بھی ہے، تو کیا یہ بات اس کی دلیل نہیں کہ مزکورہ تفسیر صحیح نہیں ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس انگوٹھی کی قیمت کے بارے میں جو مبالغے کیے گئے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں اور اس کے بہت قیمتی ہونے کی ہمارے پاس کوئی قابل قبول دلیل نہیں ہے۔ یہ جو ایک ضعیف روایت (یہ ضعیف روایت بطور مرسل تفسیر برہان ج1 ص485 پر مذکور ہے) میں اس کی قیمت خراج شام کے برابر کی گئی ہے، حقیقت سے زیادہ ایک افسانے سے مشابہت رکھتی ہے اور شاید اس اہم واقعے کی اہمیت ختم کرنے کیلیے اسے گھڑا گیا ہے۔ صحیح اور معتبر روایات جو آیت کی شان نزول کے بارے میں بیان ہوئی ہیں ان میں ایسے کسی افسانے کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا ایسی باتوں سے ایک تاریخی واقعے اور حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔[1]

1(تفسیر نمونہ، ج3، ص153تا158)

علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ کا نظریہ:

علامہ محمد حسین طباطبائی رضوان اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر " المیزان" میں آیت ولایت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ خداوند متعال نے ایک ہی سلسلے میں مومنین کے وضیفے کو رہبریت اور حکمرانی کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور کفار کی حکومت اور ولایت کو قبول کرنے کی نہی فرمائی اور ولایت وحکومت کو محدود کردیا ہے فقط اللہ، رسول، اور ان ایماندار لوگوں پر جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں جب عمل سرانجام دیتے ہیں۔

اور خداوند متعال نے ان تین کو ہی حقِ حکمرانی سمجھنے والوں کو حقیقی مومن فرض کیا ہے، پس اس سے منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ خود بخود خارج ہوجاتے ہیں اور حقیقی مومنین پر اللہ، رسول ﷺ اور رکوع میں زکوٰۃ دینے والوں کی ولایت باقی رہتی ہے۔ جس طرح قرآن کی یہ آیت شریفہ " و اللہ ولی المومنین" ولایت الٰہی پر دلالت کرتی ہے اسی معنی میں ہی آیت ولایت سرپرستی اور اولیٰ بالتصرف کے معنی میں دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت مجیدہ: (اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ) دلالت کرتی ہے اسی معنی پر۔[1]

1 (المیزان، ج 6 ص 5)

حسّان بن ثابت کا مشہور قصیدہ علیؑ کی شان میں:

حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ حضرت بلال (رض) نے اذان کہی، اور لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے ابھی لوگ رکوع میں ہی تھے کہ ایک سائل سوال کرنے لگا، جناب امیر المومنینؑ رکوع کئے ہوئے تھے اسی حالت میں آپؑ نے اپنی انگوٹھی عطا کی۔ سائل نے آنخضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی حضرت ﷺ نے ہم کو یہ آیت پڑھ کر سنائی: (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ) [1] یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اسی وقت بارگاہِ رسالت ﷺ میں حسّان بن ثابت نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ قصیدہ پیش کیا:

ابا حسن تفديك نفسی و مهجتی

وكل بطئی فی الهدیٰ و مسارع

اے ابو لحسنؑ! آپ پر میری روح اور جان قربان ہو، اور ہر ایک وہ شخص جو ہدایت میں تیزی کرنے والا ہے

فانت الذی اعطيت اذ كنت راكعا

زكاتا فدتك النفوس يا خير راكعا

آپؑ ہی وہ ذات ہیں جس نے حالت رکوع میں زکٰوۃ دی اے رکوع کرنے والوں میں سب سے افضل و برتر، آپؑ پر جان قربان۔

---

1 (المائدہ۔55)

بخاتمك الميمون يا خير سيد

و يا خير شارٍ ثمّ يا خير بايع

آپ نے انگوٹھی بخشی ،اے بہترین سردار، اے سب سجدہ اور رکوع کرنے والوں سے بہتر وافضل۔

فانزل فيك الله خير ولاية

و بيّنها فی محكمات الشرائع

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے بہترین ولایت نازل فرمائی اور اسے اپنی محکم شریعتوں میں بیان فرمایا۔

من ذا بخاصمه تصدّق راكعا

و اسرها فی نفسه اسرارا

کون آپؑ سے جھگڑ سکتا ہے آپؑ نے رکوع میں بخشش کی ہے اور خدا نے ان کے نفس میں اپنے اسرار ودیعت کر رکھا ہے۔

من كان بات علی فراش محمد

و محمد اسری يئمّ الغارا

ان کے سواء کون آنحضرتؐ کے بستر پر سویا ہے، جبکہ آنحضرتؐ غار کی طرف تشریف لے جارہے تھے۔

و من کان فی القرآن سّمی مومنا

فی تسع آیات تلین غرارا

ان کے سواء خدا نے کس کو قرآن کی نو آیتوں میں مومن کہا ہے [1]

حسان بن ثابت نے اس موضوع پر یہ اشعار بھی کہے تھے:

علی امیر المومنین اخو الهدیٰ

و افضل ذی نعل و مَن کان حافیا

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ ازل سے صاحب ہدایت ہیں اور ہر جوتا پہننے والے اور ننگے پاؤں چلنے والوں سے افضل ہیں۔

و اول من ادّی الزکٰوۃ بکفه

و اول من صلّی و من صام طاویا

وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے زکٰوۃ دی اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نماز پڑھی اور بھوکا رہ کر روزہ رکھا۔

فلمّا اتاه سائلٌ مد کفه

الیه و لم یبخل و لم یكُ جافیا

جب سائل ان کے پاس آگیا تو انھوں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف دراز کیا اور انھوں نے کسی طرح بخل کا مظاہرہ نہیں کیا اور وہ سنگ دل نہیں تھے۔

1۔(صحیفہ مناقب، ص57)

فدس الیه خاتما و هو راکعٌ

و ما زال او اها الی الخیر داعیا

حالت رکوع میں اسے انگوٹھی دی، وہ ہمیشہ سے ہی نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے رہے ہیں۔

فَبَشَّرَ جبرائیلُ النبیَّ محمدا

بذالك و جاء الوحی فی ذاك ضاحیا

اس کے متعلق جبرائیل امینؑ خدا کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی لے کر آئے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت ذوالشھادتین نے آپؑ کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا:

فدیتُ علیاً امام الوریٰ

سراج البریة ماویٰ التقی

کائنات کے امام حضرت علیؑ پر میری جان قربان ہو کہ وہ مخلوق میں چراغ ہیں اور پرہیزگاری کیلئے ملجا و ماویٰ ہیں۔

وصی الرسول و زوج البتول

امام البریّة شمس الضحی

وہ وصی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شوہر بتول ہیں وہ کائنات کے امام اور روشن سورج ہیں۔

تصدّق خاتمہ راکعا

فاحسن بفعل امام الوریٰ

انھوں نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی راہ خدا میں صدقہ کی ہے امام کائنات کا یہ فعل کتنا ہی بہتر اور خوبصورت ہے۔

ففضلہ اللہ ربّ العباد

انزل فی شانہ ھل اتیٰ

بندوں کے پروردگار نے اس سے فضیلت بخشی اور اس کی شان میں سورہ ھل اتی نازل فرمائی۔ [1]

شاہ نعمت اللہ ولی کا مشہور فارسی قصیدہ:

شاہ نعمت اللہ ولی حضرت علیؑ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

مرد مرداں شاہ مرداں است

در ہمہ حال مرد میداں است

شاہ مرداں علی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور آپؑ ہر حالت میں مرد میداں ہیں۔

1 (امام علیؑ ولادت سے شہادت تک ص 152)

در ولایت ولی والی است

برہمہ کائنات سلطان است

مملیکت ولایت میں علیؑ کے سواء کوئی حکمران نہیں آپؑ ساری کائنات کے سلطان ہیں۔

سید اولیاء علی ولی

آں کہ عالم تن است و او جانست

تمام اولیاء کے سر دار علیؑ اللہ ہیں اگر تمام عالم جسم ہے تو آپؑ اس کی جان ہیں۔

گرچہ من جانِ عالمش گفتم

غلطے گفتم ام کی جانان است

اگرچہ میں نے آپؑ کو جانِ عالم کہا ہے لیکن یہ بھی غلط کہا ہے اس لئے کہ آپؑ جان نہین جاناں ہیں

بے ولائے علیؑ نہ شوی

گر ترا صد ہزار برھان است

علیؑ کی محبت کے بغیر تو ولی بن نہیں سکتا اگرچہ تیرے پاس اس کے لاکھوں دلائل ہی کیوں نہ ہوں۔

ابن عم رسولؐ یار خدا

آں خلیفہ علیؑ عمـران است

جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد اور خدا کے دوست ہیں وہی علیؑ خلیفہ ہیں۔

یوسف مصر عالمش خوانم

شاہ تبریز و میر و جان است

میں آپؑ کو کائناتِ مصر کا یوسف سمجھتا ہوں، آپؑ شاہ شمس تبریز اور ان کے میر کے سردار کی جان ہیں۔

یادگارِ محمد است علیؑ

نعمت اللہ کہ میرمستان است

نعمت اللہ جو مستوں کا سردار ہے یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کی یادگار ہے۔[1]

1 (صحیفۂ مناقب، ص123)

(5)

آیتِ مَوَدّت:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى[1]

ترجمہ: "کہہ دیجیے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے"۔

---

[1] (سورہ شوریٰ آیت23)

شان نزول آیت مودّت:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ تفسیر مجمع البیان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اس سورہ (شوریٰ) کی 23ویں اور 24ویں آیت کی شان نزول پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ تشریف لا چکے اور اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں تو انصار نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو مالی مشکلات در پیش ہیں تو ہمارے یہ اموال غیر مشروط طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن لیں تو یہ آیتِ مودت نازل ہوئیں قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى " کہہ دیجیے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے "۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہ آیت سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد بھی میرے قریبیوں سے محبت کرنا۔

یہ سن کر وہ خوشی خوشی وہاں سے واپس آگئے، لیکن منافقین نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ یہ بات (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ نے از خود کہی ہے اور خدا پر جھوٹ باندھا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے بعد ہمیں اپنے رشتہ داروں کے آگے ذلیل و رسواء کرے۔

چنانچہ اس کے بعد اگلی آیت نازل ہوئی " اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا" کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ جھوٹ باندھ رہا ہے خدا پر، یہ آیت ین لوگوں کا جواب تھا۔

پیغمبر اسلام ق ﷺ نے کسی کو بھیج کر یہ آیت انہیں سنائی کچھ لوگ نادم ہو کر رونے لگے اور سخت پریشان ہوئے آخر کار اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے: "وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ " اور اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے"" آنحضرت ﷺ نے پھر کسی کو بھیج کر ان تک پہنچائی اور انہیں خوشخبری دی کی ان کی توبہ قبول بارگاہ ہو چکی ہے۔[1]

لفظ قربیٰ کی تین تفسیریں:

مفسر قرآن شیخ محسن علی نجفی مدظلہ تفسیر الکوثر میں آیت مودّت کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ اس آیت میں لفظ قربیٰ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں:

پہلی تفسیر:

القربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی قریش کے ساتھ رشتہ داری ہے، اس تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں تم سے اس پر یعنی تبلیغ رسالت پر کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ اس رشتہ داری کا لحاظ کرو جو میری تمہارے ساتھ ہے۔اس تفسیر کو زیادہ پزیرائی ملی ہے اس کی تائید میں کئی

1۔(تفسیر نمونہ، ج11، ص487)

روایات بخاری، مسلم، ترمذی اور بیہقی وغیرہ نے نقل کیے ہیں چونکہ یہ ان راویوں اور ناقلوں کی ترجیحات کے مطابق ہے۔

دوسری تفسیر:

اس تفسیر میں القربیٰ سے تقریب لیا گیا ہے اس تفسیر کے مطابق آیت مودت کا مطلب بنتا ہے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے اس کے کہ تم اللہ کا قرب حاصل کرو۔

تیسری تفسیر:

میں تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت کے۔

تینوں تفاسیر کے جوابات:

پہلی تفسیر کا جواب:

اس کے شیخ محسن علی نجفی مدظلہ ان ے ینوں تفاسیر پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ کہہ دیجئے "علیہ" اس تبلیغ رسالت یعنی تمھارے معبودوں کو باطل ثابت کرنے پر میں تم سے کوئی صلہ، انعام نہیں مانگتا (چونکہ مخاطب مشرکین عرب ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہین وہ قریش کی نظر میں بڑا جرم ہے اور جرم کا صلہ اور اجر نہیں مانگا جاتا -الا مودۃ- استثناء خواہ متصل ہو یا منفصل،

دونوں صورتوں میں صرف یہ تعبیر کہ میں تم مشرکین سے تمھارے معبودوں کے باطل قرار دینے پر صلہ، انعام اجر و ثواب نہیں مانگتا۔ نہایت غیر مربوط ہے ۔

یہ بات اہل ایمان سے کی جا سکتی ہے جن پر رسول اللہ ﷺ کا احسان ہے (مشرکین سے نہیں)۔

دوسری تفسیر کا جواب:

دوسری تفسیر چنداں قابل بحث نہیں ہے چونکہ المودۃ فی القربیٰ کی ترکیب سے قرب الٰہی مراد لینا نہایت نامربوط ہے۔

تیسری تفسیر کا جواب:

تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب اہل ایمان ہیں (بخلاف پہلی تفسیر کے) اور دوسری یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے قریبی ترین رشتہ داروں کی محبت میں نازل ہوئی ہے۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں نے پوچھا؛ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے قریبی ترین رشتہ دار کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟

فرمایا: علی و فاطمہ و ابناھما یعنی علیؑ، فاطمہ زہراءؑ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں۔[1]

---

1 (تفسیر الکوثر، ج 8 ص 72)

مودت اہل بیتؑ اجر رسالت ہے:

چونکہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ رسالت کی وجہ سے یہ خیال لوگوں کے دلوں میں آسکتا تھا کہ آپ ﷺ ہی رسالت کی تبلیغ کا لوگوں اجر لوگوں سے طلب فرمائیں گے۔ اسی بارے فورا پیغمبر اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ قُل لاَّ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ[1] "کہہ دیجیے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے"۔

ذوی القربٰی کی دوستی جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا ولایت کے مسئلے اور خاندان رسالت ﷺ میں سے ہونے والے معصومین کی پیشوائی اور رہبری کی طرف لوٹ جاتی ہے جو درحقیقت پیغمبر اسلام ﷺ کی رہبری اور ولایت الٰہیہ کے تسلسل کے مترادف ہے اور ظاہر ہے کہ اس ولایت اور رہبری کو تسلیم کرنا ایسا ہے جیسا کہ رسول پاک ﷺ کی رسالت و نبوت کو تسلیم کرنا جو کہ انسان کی اپنی سعادت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ خود انسان کی طرف ہی لوٹ جاتا ہے۔[2]

سرکار علامہ سید العلماء سید علی نقی نقنؒ تفسیر فصل الخطاب میں لکھتے ہیں کہ یہ موجودہ نظم قرآن میں بالکل نمایاں ہے کہ جتنی آیات اہلبیت کرامؑ سے خصوصیت رکھنے والی تفسیر اور حدیث سے متفق علیہ بور پر بطور مستقل آیت کے شہرت رکھتی ہیں جیسے آیت اکمال دین اور تمام نعمت اور آیت تطہیر وہ سب

---

1 (سورہ شوریٰ آیت 23)

2 (تفسیر نمونہ، ج11 ص490)

بحالت موجودہ دوسری طویل آیتوں کا جزء بنی ہوئی ہیں اور ان کا مستقل آیت ہونا محسوس نہیں ہوتا چنانچہ آیت مودّت "قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ "[1] بھی ایک دوسری آیت کے اندر اس طرح گھل ملا کر درج ہوئی ہے کہ اس کی منفرد حیثیت کوئی محسوس نہیں ہوتی، بہرحال شان نزول وغیرہ کی روایات کے لحاظ سے یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ ایک مستقل آیت ہے جو جدا نازل ہوئی اور اپنی ایک خاص شان نزول رکھتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کا ترجمہ آیت مودت اور علامہ نقن کا ترجمے پر اعتراض:

سرکار علامہ نقن ؒ لکھتے ہیں کہ مفسرین جمہور (اهل سنت مفسریں) اس آت کا ترجمہ ایسا کرتے ہیں کہ جس سے آیت مودت کا کوئی تعلق اہل بیتؑ سے نہ ہو جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "باید کہ پیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان"، "چاہیے کہ مقدم رکھو دوستی عزیزوں کے ساتھ" حاشیے پر لکھا ہے کہ "یعنی با من صلہ رحم کنید" (فتح الرحمان) مطلب یہ ہے کہ مجھ سے جو تمھاری قرابت ہے اس کا لحاظ کرو اور اس کے تقاضے کو پورا کرو، پہلے ترجمے میں گنجائش تھی کہ مخاطب مسلمان ہوں اور عزیزوں سے مراد مسلمانوں کے رشتہ دار ہوں مگر حاشیے سے پتہ چلا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و مشرکین کو اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر طالب رحم ہیں۔

---

1 (سورہ شوریٰ آیت 23)

ان (یعنی شاہ ولی اللہ) کے صاحبزادے ترجمہ کرتے ہیں " مگر دوستی بیچ قریب کے" اس سے نہ تو کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا مگر دوسرے صاحبزادے صاف کر دیتے ہیں کہ " یعنی میں تمھارا بھائی زاد کا مجھ سے بدی نہ کرو"۔

علامہ نقنؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہئے کہ نظر، مسلک اور اصول کے اختلاف میں قرابت کا واسطہ دینے کے کوئی معنی نہیں بنتے، اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و مشرکین کا اپنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ خواہش کریں کہ میری مخالفت نہ کرو تو اصولا انہیں بھی اپنی قرابتوں کا واسطہ دے کر حق ہو گا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بتوں کی مذمت نہ کیجیے اور جو ہمارے طور طریقے ہیں، ان کی مخالفت نہ کیجیے اور اگر ان کیلئے اسطرح کا واسطہ دینا صحیح نہی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے بالکل خلاف ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنی قرابت کا واسطہ دے کر مخالفت سے روکیں اور (معاذ اللہ) ان سے رحم کی التجاء کریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور بھی ایسا نہیں کر سکتے چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر مامور فرمائے"۔

فی القربیٰ سے مراد "آل محمدؐ" اور "اہل البیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں:

بہر حال ہمارے یہاں (شیعہ مکتب میں) متفق علیہ ہے کہ اور کچھ فراخ حوصلہ علمائے اہل سنّت بھی اس میں ہم سے متفق ہیں کہ یہاں فی القربیٰ سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ذوی القربیٰ مراد ہیں جنھیں ہم "آل محمدؐ" اور "اہل البیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کہتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری کا ذی القربیٰ سے متعلق کا نظریہ:

مشہور اہل سنت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی آیت مودت کے ذیل میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ میرے نزدیک آیت مذکورہ مودت میں مودت فی القربیٰ کی یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقرباء میرے اہل البیت اور میری اولاد سے محبت کرو کیونکہ رسول اللہ توآخری نبی تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی ہونے والا نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فرض تبلیغ ادا کرنے والے علماء امت ہیں علماء ہوں چاہے یا علمائے باطن یعنی فقہاء و محدثین یا ائمہ تصوف، اللہ نے اپنے نبی اس لیے حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اپنے اہل بیت سے محبت رکھنے کی تبلیغ کریں کیونکہ امام المسلمین حضرت علیؑ اور ایمہ اہل بیتؑ جو آپ کی نسل میں سے ہوئے کمالات ولایت کے قطب (ستون) تھے۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس شہر میں داخل ہونے کا دروازہ ہیں۔۔

اس کے بعد ثناء اللہ پانی پتی صاحب لکھتے ہیں کہ یہی مراد ہے حدیث مبارکہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنی اور اپنے اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم امت کو دیا تاکہ امت کو فائدہ پہنچے اور آیت وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آلؑ اور نائبوں کی محبت ورنہ سابق آیت مودت اور "وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ

لَهُ فِيهَا حُسْناً" میں کوئی ربط نہ ہوگا اسلئے کی لفظ حسنہ عام ہے ہر نیکی کو شامل ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی ذوی القربیٰ کی تصریح:

حافظ سید فرمان علیؒ اپنے مترجم قرآن مین آیت مودت کے حاشیے میں تحریر فرمایا ہے کہ انصار اپنے ایک بڑے جلسہ میں اپنا فخر و مباہات بیان کر رہے تھے کہ ہم نے یہ کیا وہ کیا، جب ان کی باتیں ناز کی حد سے گزریں تو حضرت عباس یا ابن عباس سے رہا نہ گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ تم لوگوں کو فضیلت سہی مگر ہم لوگون پر ترجیح نہیں ہوسکتی۔ اس مناظرہ کی خبر حضرت رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ خود ان کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے تو خدا نے ہماری بدولت تمہیں معزز کیا۔

سب نے عرض کی: بے شک، پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا تم لوگ تم لوگ گمراہ نہ تھے تو خدا نے میری وجہ سے تمھاری ہدایت کی۔

عرض کی: یقینا

پھر فرمایا: کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ تمھاری قوم نے تم کو نکال باھر کیا تو ہم نے پناہ دی، تمھاری قوم نے جھٹلایا تو ہم نے تصدیق کی۔

1 (تفسیر مظہری، جلد 10 ص 219)

غرض اسی قسم کی باتیں فرماتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے زانوں لے بل بیٹھے اور عاجزی سے عرض کی: ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب خدااوراس کے رسول ﷺ کا ہے، یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ یہ آیت " قُل لاَّ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى "[1]

"کہہ دیجیے میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے" نازل ہوئی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص آل محمد ﷺ کی دوستی پر مرے وہ کامل الایمان مرا۔۔ پھر فرمایا یاد رکھو جو شخص ال محمد ﷺ کی دشمنی پر مرا وہ کافر مرااور وہ جنت کی بو بھی نہ سونگھ پائے گا۔

پھر اسی وقت کسی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ جن کی محبت کو خدا نے ہم پر واجب کیا ہے وہ کون ہین؟

فرمایا: علیؑ، فاطمہؑ، اوران کے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ پھر فرمایا جو شخص میرے اہل بیتؑ پر ظلم کرے گا اور مجھے میری عترت کو میں اذیت دے گا اس پر بہشت حرام ہے۔

1 (سورہ شوریٰ آیت 23)

اس کے بعد دوسری آیت وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا کے حاشیے میں حافظ فرمان علیؒ تفسیر کشاف سے نقل کرتے ہیں کہ یہاں "حسنة" یعنی نیکی سے مراد آلِ محمد ﷺ کی دوستی ہے۔ [1]

زمخشری کی آل محمدؑ سے متعلق مفصّل حدیث:

اہل سنت معروف مفسر قرآن زمخشری نے اپنی تفسیر کشّاف میں ایک مفصل حدیث نقل کی ہے جسے فخر رازی اور قرطبیؒ نے بھی اپنی تفاسیر میں لکھا ہے یہ حدیث بڑی صراحت کے ساتھ آل محمد ﷺ کے مقام اور ان کی محبت کو بیان کرتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من مات علی حبّ آل محمد مات شهیدا

جو شخص آل محمد کی محبت میں مر گیا وہ شہید مرا۔

الا مات علی حب آل محمد مات مغفورا له

خبردار رہو! جو شخص آلؑ محمد کی محبت کے ساتھ مرا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

الا من مات علی حب آل محمد مات تایبا

آگاہ رہو! جو شخص آلِ محمد کی محبت کے ساتھ مرا وہ تائب ہو کر مرا۔

---

1 (مترجم قرآن سید فرمان علی، ص 581،582)

الا من مات علی حب آل محمد مات مومنا مستکمل الایمان

آگاہ رہو ! جو شخص کی محبت کے ساتھ مرا وہ کامل الایمان مومن مرا۔

الا مات علی حب آل محمد بشّرہ الملکُ الموت بالجنۃ ثم منکر و نکیر

آگاہ رہو ! جو شخص آل محمد کی محبت کے ساتھ مرا موت کے فرشتے اسے بہشت کی خوشخبری دینگے۔

الا من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجھا

آگاہ رہو ! جو شخص آلِ محمد کی محبت کے ساتھ مرا اسے یوں آراستہ کر کے احترام کے ساتھ بہشت کی طرف لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو اس کے دولہے کے گھر لے جایا جاتا ہے۔

الا من مات علی حب آل محمد فُتِحَ له قبرہ بابان الی الجنھآ

آگاہ رہو ! جو شخص آلِ محمد کی دوستی میں مرا اس کی قبر میں بہشت کے دو دروازے کھول دئے جائیں گے۔

الا ومن مات علی حب آل محمد جَعلَ اللهُ قبرمزارا ملائکة الرحمہ

آگاہ رہو! جو شخص آل محمد کی دوستی میں مرا خدااس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنادیتا ہے

الا و من مات علی حب آل محمد مات علی السنة و الجماعة

آگاہ رہو! جو شخص آل محمد کی دوستی میں مراوہ اسلام کی ملت اور مسلمانوں کی جماعت پر مرے گا۔

الا و من مات علی بغض آل محمد جاءٰ یوم القیامة مکتوب بین عینیه آیس من رحمة الله

آگاہ رہو! جو شخص آل محمد کی دشمنی کے ساتھ مرے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں عرصۂ محشر میں داخل ہوگا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ خدا کی رحمت سے مایوس تھا۔

الا و من مات علی بغض آل محمد مات کافرا

آگاہ رہو! جو شخص آل محمد کی دشمنی کے ساتھ مرے گا وہ کافر ہو کر مرے گا۔

الا و من مات علی بغض آل مهمد لم یشمّ رائحة الجنّة۔

آگاہ رہو! جو شخص آل محمد کی دشمنی کے ساتھ مرے گا وہ
بہشت کی خوشبو کو بھی نہیں سونگھ پائے گا۔[1]

سیوطی کی در منثور میں فی القربیٰ سے متعلق روایت:

مشہور اہل سنت عالم جلال الدین سیوطی نے "درّ منثور" میں آیت مودت کے ذیل میں مجاہد سے، انہوں نے ابن عباس سے رویات کی ہے کہ "قُل لَّآ أَسۡأَلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ "کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان تحفظوا اھل بیتی و لودّوا ھم لی" مراد یہ ہے کہ تم میرے حق کی میرے اہل بیتؑ کے بارے میں حفاظت کرو اور میری وجہ سے ان سے محبت کرو۔[2]

دشمنِ ذی القربیٰ مستحق لعنت ٹھہرتا ہے:

شیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ تفسیر الکوثر میں فرماتے ہیں کہ طبرانی، ابن ابی خاتم اور حاکم نے مناقب اور شافعی اور زمخشری نے کشاف میں ابن عباس سے نقل کیا ہے نیز حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ سے بھی منقول ہے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری رادی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میرے لئے اسلام پیش کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا؛" تشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ" تو اس

1 (تفسیرِ کشّاف ، ج4 ، ص220)
2 (تفسیر درّ منثور ج6، ص7)

بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں"

اس اعرابی نے کہا کہ کیا اس پر آپ کوئی اجر (صلہ) مانگتے ہیں ؟ فرمایا: لا۔ الا المودة فی القربی یعنی نہیں، صرف قریبی ترین رشتہ داروں کی محبت کے سواء کوئی اجر نہیں مانگتا۔

اس اعرابی نے سوال کیا : میرے قریبی یا آپ ﷺ کے قریبی ؟

تو پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: قرابتی یعنی میرے قریبی

اس نے کہا: آیئے میں آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اور جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں سے محبت نہ کرے اس پر لعنت ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آمین۔ [1]

امام زین العابدینؑ کا شام میں آیت مودة سے استدلال:

شیخ صاحب قبلہ تفسیر طبری، الصواعق المحرقہ اور ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب امام علی ابن الحسین زین العابدینؑ کو اسیر بنا کر شام لایا گیا تو ایک شامی شخص نے کہا: الحمد للہ قتلکم و استئسلکم و قطع قرن الفتنہ یعنی حمد ہو اس ذات کے لیے جس نے تمہیں قتل کیا اور تباہ کر دیا اور فتنہ کا سلسلہ کاٹ دیا۔

1 (تفسیر الکوثر، ج8 ص74)

اس پر امام سید الساجدینؑ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے الحمد پڑھا ہے؟ شامی نے کہا: میں نے قرآن پڑھا ہے الحمد نہیں۔

امام سجادؑ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ "قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ" تو اس شامی نے کہا: کیا آپؑ لوگ وہی ہیں (جن کی محبت فرض ہے)؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں۔ [1]

سید ابو الاعلی مودودی کے اعتراضات اور شیخ محسن علی نجفی کے جوابات:

سید ابولاعلی مودودی نے تفہیم القرآن میں آیت مودت کے ذیل میں اس آیت کے معنی ذی القربٰی سے مراد عزیز ترین رشتہ دار (اہل البیتؑ) مراد ہونے پر چند اعتراضات کیے ہیں اور شیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ نے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے:

پہلا اعتراض:

سورہ شوریٰ مکی ہے اور اس وقت تک حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کی شادی تک نہیں ہوئی (تو یہ آیت کیسے ان سے محبت کرنے کا کہہ رہی ہے جو حسنؑ اور حسین پیدا ہی نہ ہوئے ہوں؟)۔

---

1 (تفسیر الکوثر، ج8 ص76)

جواب:

اول تو بعض روایات کے مطابق یہ آیت مودت مدنی ہے چنانچہ قرطبّی، نیشاپوری اور خازن نے اپنی تفسیروں میں، شوکانی نے فتح القدیر پر صفحہ 510 میں حضرت ابن عباس اور قتادہ سے صریحا نقل کیا ہے کہ یہ سورہ شوری مکی ہے سوائے چار آیتوں کے جن پہلی آیت قل لا اسئلکم علیه اجرا۔۔ ہے۔

دوم یہ کہ مصادیق کا عند نزول القرآن موجود ہونا ضروری نہیں ہے مثلا والذین اشدّاء علی الکفار کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس آیت کے تمام مصادیق عند نزول القرآن موجود ہوں۔

دوسرا اعتراض:

مودودی صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بہت تھے صرف عبد المطلب کی اولاد کی محبت کیوں فرض کی گئی؟

جواب:

یہ اعتراض قرآن پر آتا ہے (معاذ اللہ) چونکہ قرآن نے قریبی رشتہ نہیں بلکہ قربیٰ قریب ترین رشتہ داروں سے محبت کے لیے کہا ہے۔

تیسرا اعتراض:

مودودی صاحب کے نزدیک سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ اس کارِ عظیم پر یہ اجرت مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی بات ہے کوئی ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جواب:

اول تو ہم اصحاب، تابعین، مورخین اور مفسرین کی لمبی فہرست پیش کر سکتے ہیں کہ جن کے ذوق سلیم نے اس کا تصور ہی نہیں بلکہ اس کو تسلیم بھی کیا ہے۔

دوم یہ کہ آپ کے ذوق کے خلاف ہوتا رہے، لیکن انبیاءؑ کے ذوق کے خلاف نہیں ہے، حضرت ابراہیمؑ امتحانات الٰہی میں کامیاب ہونے کی پاداش میں اپنی اولاد کیلئے امامت کی تمنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں " فاجعل افئدۃ من الناس تھدی الیھم" (سورہ ابراھیم ۔آیت 37) اے اللہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرما۔

سوم یہ کہ آنحضور ﷺ کی رحلت کے بعد واقعات اور تاریخی حقائق یعنی اہلِ بیتؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم اور حق تلفیوں وغیرہ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے محبت ذوی القربیٰ کیوں قرار دی۔

اعتراض چہارم:

مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس تقریر (آیت) کے مخاطب اہل ایمان نہیں کفار مکہ ہیں، کفار حضور ﷺ کے اس کام (تبلیغ رسالت) کی کونسی قدر کر رہے تھے کہ ان سے اجر رسالت مانگیں بلکہ وہ تو الٹا اسے جرم سمجھ رہے تھے۔

جواب:

اولا تو اس تقریر (آیت) کے مخاطب اہلِ ایمان ہیں جس پر خود سیاقِ آیت شاہد ہے کہ اہل ایمان کو بشارت دیتے ہوئے اجر رسالت کا ذکر آیا ہے۔
ثانیا آپ کا یہ تبصرہ اس تفسیر پر زیادہ منطبق ہوتا ہے جس کے مطابق اس سے وہ رشتہ داری مراد ہے جو حضور ﷺ کو کفارِ قریش سے تھی کیونکہ خود ان (مودودی صاحب) کے بقول کفار حضور ﷺ کے اس کام کو خدمت نہیں جرم سمجھ رہے تھے تو اس جرم کے عوض حضور ﷺ قریش سے رشتہ داروں کی محبت کی اجرت مانگ رہے ہیں!!! ان تعجب فعجب قولهم[1]

ذوی القربیٰ کی مودت کا مطلب ان کی اطاعت کرنا ہے:

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروھوی مرحوم لکھتے ہیں کہ یہ بات قابل غور ہے کہ ذوی القربیٰ کی مودت کو واجب قرار دینے کا مطلب کیا ہے؟ اور رسالت کا اس مودت سے کیا تعلق ظاہر ہوتا ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ مودت کیلئے

---

1 (بلاغ القرآن، ص656)

اطاعت لازم ہے اور اطاعت کا قاعدہ یہ ہے جن سے محبت کی جائے عمل میں ان کی ہی پیروی کی جائے یہ اطاعت مطلقہ معصوم کے سواء دوسرے کی مفید نہیں ہو سکتی۔ (جیسے ارشاد باری ہے: اطیعوا اللہ و رسولہ و اولی الامر منکم)[1] کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت میں گناہ کا خطرہ رہتا ہے۔

رسالت کا فرض لوگوں کو ہدایت کرنا ہے، جاہلوں کی جہالت کو دور کرنا ہے، گمراہوں کو راہ راست پر لانا ہے تو اس کا اجر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جس سے غرضِ رسالت ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہے اور یہ غرض اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک ایسے لوگوں سے محبت نہ کی جائے جن کی زندگی تبلیغ کیلئے وقف ہو اور ان کا مقصد احیائے ملت ہو جن کا ہر کام تحت مشیّت ایزدی ہو۔ جو مرضی الٰہی کے خلاف کبھی کوئی کام کرتے ہی نہ ہوں اور ایسے لوگ امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سوائے اہلِ بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے پائے ہی نہیں گئے۔

مودت ذوالقربیٰ کو اجر رسالت قرار دینا کا مطلب:

مولانا حسن ظفر امروھوی فرماتے ہیں کہ مودت ذی القربیٰ کو اجر رسالت اس لئے کہ لوگ گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہیں۔ احادیث سے سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے مثلا حدیث ثقلین میں کتاب اللہ کے ساتھ اپنے اہل بیتؑ سے متمسک رہنے کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اور یہ کہ ہر زمانہ

---

1 (سورہ نساء آیت 59)

میں ان میں سے ایک معصوم موجود رہے جو قرآن کا صحیح معنی و مفہوم بتا سکے۔ پس ان کی محبت اجرِ رسالت قرار پا سکتی ہے عام لوگوں کی نہیں۔

اسی طرح حدیث سفینہ میں فرمایا کہ میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا یعنی جو اہلبیتؑ کے ساتھ رہیگا وہ ناجی ہوگا لہٰذا ہر زمانہ میں ایک فرد اہلبیتؑ میں سے موجود رہتا ہے۔

یاد رہے کہ ذوی القربیٰ کی محبت کو اجر رسالت قرار دینا امت رسول ﷺ کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کیلئے ہے ورنہ اس تعین کی ضرورت ہی کیا تھی، معلوم ہوا کہ رسالت سے ذوالقربیٰ کی محبت کا کوئی خاص تعلق ہے آگے آیت کا یہ ٹکڑا بھی قابل غور ہے (وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْناً) کہ جو نیکی کرے گا اس کا ثواب ہم زیادہ کر دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ سے محبت کرنا نیکی میں داخل ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے تمام رشتہ داروں کی محبت نیکی میں داخل نہیں کیونکہ وہ سب معصوم نہ تھے۔

آگے آیت کا ٹکڑا یہ ہے کہ لوگ کہنے لگے کہ رسول خدا ﷺ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ یعنی اہل البیت رسول ﷺ کے جو لوگ دشمن تھے ان کو اہل البیتؑ کی یہ فضیلت پسند نہ آئی اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلبیت کی محبت میں ایسا کہہ دیا ہے۔[1]

1 (تفسیر ظفر امروھوی، ج5، ص19)

اکثر لوگ دشمنی اہل بیتؑ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں جبکہ قیامت کے روز اس کا سوال ہو گا:

مولانا سید ظفر حسن امروھوی مرحوم لکھتے ہیں کہ جو لوگ عداوتِ اھل البیتؑ پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور کسی فضیلت کو ان سے متعلق ہونا پسند نہیں کرتے وہ ان آیات کی ایسی ہی نامعقول تاویلیں کیا کرتے ہیں جو ان حضرات اہلِ بیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

جبکہ آیت بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا ذوی القربیٰ کی مودت کی صورت میں میں سوال کیا گیا ہے تو ضرور قیامت میں رسول ﷺ اس کا جواب مانگیں گے آیت و قفوا ھم انھم مسئولون (سورہ صافات) "انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھا جائے گا" یہ بتاتی ہے کہ اجرِ رسالت کا جو سوال مسلمانوں سے کیا گیا تھا اس کا جواب مانگا جائے گا۔۔[1]

اہل البیتؑ کی مودت ہی باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا درس دیتی ہے:

علامہ حسین بخش جاڑا مرحومؒ آیت مودت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ مودۃ فی القربیٰ فرض کر کے خداوند عالم نے ان کے متعلق ضمانت دی ہے کہ یہ کسی وقت بھی دینی تقاضوں سے انحراف کر کے باطل کے سامنے سر نگوں نہ ہوں

---

1 (تفسیر ظفر امروھوی، ج5، ص19)

گے۔اور ان کی محبت اور مودت ہی اسلام کے صحیح پرستاروں کے لیے باطل پرستوں کی چیرہ دستیوں سے بچنے کا سامان فراہم کرنے کا بلند کردار ادا کرے گی۔۔بقول شاعر

باطل کے سامنے جو نہ جھکائے اپنا سر
سمجھو کی اس کے ذہن کا مالک حسینؑ ہے

چنانچہ دنیانے دیکھ لیاکہ اور اہل انصاف نے پرکھ لیاہے کہ اسلام پر جب بھی مشکل وقت آیا اور اہل اسلام کو جب بھی باطل پرستوں کے ہوشربا مظالم کے سائے تلے طاغوتی بتوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا گیا اور پوری انسانیت کو درندی صفت حکمرانوں نے اپنے اقتدارِ ناپائیدار کے سامنے دم بخود کردیا تو اس وقت صرف حضور ﷺ کی آلِ اطہارؑ ہی تھی جس نے باطل کو للکارا اور ظالم سلاطین کے رویئے کو چیلنج کر کے زندگی سے بے نیاز ہو کر میدان میں نکل کھڑی ہوئی اور باطل کی غوغاآرائی کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرتے ہوئے طوفان ظلم کے سامنے کوہ گراں بن کر جم گئی (آج کے اس دور میں اس کی بہترین مثال بت شکن زمان حضرت امام سید روح اللہ خمینیؒ ہیں کہ جنہوں نے اپنے دادا حسین ابن علیؑ کی صدائے ھل من ناصر پر لبیک کہتے ہوئے پرچم ولایت تھا کر باطل کو لرزہ براندام کر کے طاغوت کی صفوں میں عجیب تہلکہ مچادیا ہے اور اس وقت ان کے نائب برحق حضرت امام خامنای دام ظلہ مومنون کے دلوں کا چین اور ظالمین اور منافقین کی آنکھوں کا کانٹا اور گلے کی ہڈی بنے ہوے ہیں اللھم احفظہ)۔بے شک ان کو وقتی طور پر شہادت کا جام شیریں نوش کرنا پڑا اور بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو معرضِ قتل میں پیش کرنا پڑا نیز خواتین حرم کی

در بدری کا درد بھی سہنا پڑا لیکن یہ سب کچھ گوارا کر کے باطل کے سامنے ہتھیار ڈالنا اپنی غیرت و حمیت کے منافی سمجھا اور نتیجہ یہ نکلا ظلم واستبداد پر کھڑا ہونے والا باطل کا پوا قلعہ پاش پاش ہو گیا اور اسلام کے رخ پر جمی ہوئی باطل کی ساری گرد یکبارگی دھل گئی اور آنے والی نسلوں نے ایک بار اسلام کو اپنے اصلی خدوخال میں دیکھ لیا۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ بڑی سے بڑی جنگوں کی داستانیں چند دنوں بعد پرانی سمجھی جاتی ہیں اور ان کو پڑھنا اور سننا تضییعِ وقت قرار دیا جاتا ہے لیکن بخلاف اس کے معرکہ کربلاء میں حق و باطل کی نصف یوم کی جنگ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی پرانی نہیں ہوئی کیونکہ اس میں کردارِ انسانی کی وہ شمعیں ضوء فشاں ہیں جو رہتی دنیا تک ہر انسان کو انسانیت کے صحیح خطوط کی نشاندہی کرتی رہیں گی اور تعلیمات اسلامیہ سے وابستگی رکھنے والے ہر معاشرے کو تا قیامت اپنے فیوض و برکات سے بہرہور کرتی رہیں گی۔[1]

امام شافعی کے مودت اہل بیتؑ سے متعلق مشہور اشعار:

صحیفہ مناقب کے مصنف سید اشتیاق حسین تقوی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کو اہلِ بیتؑ سے والہانہ محبت تھی۔ اس محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ انھیں رافضی (شیعہ) کہا جائے۔ کہا کرتے تھے کہ آل محمدؐ سے محبت کرنا رفض ہے تو فرشتوں کو گواہی دینا چاہیئے کہ میں رافضی ہوں۔

---

1 (تفسیر انوار النجف، ج 12 ص 207)

حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے بے پناہ عقیدت کے سبب ان پر کافر ہونے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے لیکن امام شافعی ہر وقت علیؑ علیؑ کا ورد کرتے رہتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ علی مرتضیٰؑ علمِ قرآن اور علمِ فقہ میں مخصوص حیثیت رکھتے تھے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؑ کے فیصلوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا پس و پیش مہر تصدیق ثبت کرتے تھے۔

اس کے بعد سید اشتیاق حسین تقوی لکھتے ہیں کہ امام شافعی رائے کے لحاظ سے اعتدال پسند تھے، حضرت علیؑ سےؑ محبت اور جن لوگوں نے ان سے جنگ لی تھی انہیں وہ باغی قرار دیتے تھے جیسا کہ انھوں نے "کتاب السبہ" میں لکھا ہے۔

امام شافعی کے اس کلامِ منقبت کو بے انتہاء مقبولیت حاصل ہوئی:

عَلِی حُبُّہ جُنّۃ قَسیمُ النّارِ والجَنّۃ

وصیُ المصطفیٰ حقا اِمامُ الانسِ وَ الْجِنّۃ

ترجمہ: علیؑ کی محبت سِپر کا کام دیتی ہے یعنی آتشِ جہنم سے بچانے والی ہے اور علیؑ جنّت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم آپؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصیِ بر حق ہیں اور تمام انسانوں اور جِنات کے امام ہیں۔

کفیٰ فضلُ مولانا علی وقوعُ الشکِّ فیہ انّہ اللہ

اَماتَ الشّافعیُ و لَیسَ ادَرِی عَلِی ربُّہ ام ربُّہ اللہُ

مولا علیؑ کی رفعت وشان میں یہی کافی ہے کہ لوگوں کو ان کے خدا ہونے کا شک وشبہ ہو گیا اور میں (شافعی) مرتے وقت تک نہیں پہچان سکا کہ میرا پالنے والا ربّ علی مرتضیٰؑ ہیں یا اللہ تعالی ہیں۔

آلُ النّبیِ ذریعتی وھم الیه وسیلتی

أرجُو ربّھم اعطا غدا بِیَدِی الیمینِ صحیفتی

آلؑ نبی ﷺ (اھل بیتؑ) میرے لئے ذریعہ ہیں اور وہی لوگ اللہ کی طرف میرے وسیلہ ہیں اور میں بسبب انہی لوگوں کے، امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے داہنے ہاتھ میں نامہءِ اعمال ملے گا۔

اذا فی مجلس نذکر علیا و سبطیه و فاطمةُ الزکیّه

یقالُ تجاوزْ و ایا قوم ھذا فھذا من حدیثِ الرّافضیّة

جب ہم کسی جگہ پر علیؑ اور حسنین کریمینؑ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؑ کا ذکر چھیڑتے ہیں تو کہا جاتا ہے اے قوم! گزر جا اس شخص کے پاس سے اس لیے کہ یہ باتیں رافضیوں (شیعوں) کی سی ہیں۔

رئیتُ الی المھیمنِ من اُناس یرون الرفض حبّ فاطمة

میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں ایسے لوگوں سے کہ جو جناب سیّدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراءؑ کی محبّت کو رفض سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد سید اشتیاق حسین تقوی صاحب امام شافعی کا دوسرا کلام بھی پیش کرتے ہیں:

یا راکباً قِفْ بالمحصبِ من منیٰ

اے سوار ٹھہر جا محصب میں جو منی سے ملحق ایک مقام ہے

و اهتف بساکنِ خیفها و النا هض

اور ندا کر ! تو خیف اور ناہض کے رہنے والوں کو

سحرا اذا فاض الحجج الی المنی

صبح سویرے جبکہ حاجی کی طرف روانہ ہوں

فیضا کملتطمِ الفراتِ الفایض

مانند دریائے فرات کے روانہ ہونے کے

اِن کان رفضا حبُّ آل محمد

فلیشهد الثقلان اَنّی رافضی

اگر حبِ آلِ محمد رفض ہے تو اے انس و جن گواہی دینا کہ
بے شک میں (شافعی) رافضی ہوں۔

امام شافعی کا یہ خوبصورت کلام بھی اشتیاق تقوی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے:

قالوا ترفّضتَ قلتُ لا

لوگوں نے کہا کہ تو رافضی ہوگیا ہے میں نے کہا نہیں

ما الرفضُ دینی ولا اعتقادی

رفض نہ میرا دین ہے نہ ہی میرا عقیدہ ہے

ولٰکن تولّیتُ غیرَشك

لیکن میں بے شک تولّی رکھتا ہوں

خیر امام و خیر ھادیا

بہترین امام اور بہترین ہادی سے

ان کان حبّ الولی رفض

اگر حبّ علیؑ ولی رفض ہے

فانّی ارفض العبادی

تو میں (شافعی) بے شک سب سے بڑا رافضی ہوں[1]

فرزدق کا امام زین العابدینؑ کی شان میں مشہور قصیدہ:

علامہ مجلسیؒ بحارالانوار میں صاحب مناقب سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بنو امیہ کا حکمران ہشام بن حکم حج کے لیے گیا اور لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکا۔ چنانچہ اس کے لیے منبر لگایا گیا جس پر وہ بیٹھا اور اس کے ارد گرد شامی جمع ہوئے کہ اسی اثناء میں امام زین العابدینؑ تشریف لائے کہ آپؑ ازار اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور چہرہ اقدس روشن و تاباں تھا۔ اور دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی منور پر ایک ایسا نشانِ سجدہ تھا جیسے مینڈھے کا گھٹنا ہوتا ہے۔

---

1 (صحیفۂ مناقب، ص76 تا 78)

آپؑ نے طواف شروع کیا' جب حجر اسود کے قریب پہنچے توآپؑ کے رعب سے مجمع دور ہوااوراس نے راستہ چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپؑ نے حجر اسود کا بوسی لیا تو ایک شامی ہشام بن حکم سے کہنے کہ اے امیر ! یہ کون ہیں؟ اب ہشام یہ سمجھ کر کہ کہیں شامی امام سجادؑ کے گرویدہ نہ بن جائیں اس نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون ہیں۔

فرزدق شاعر وہاں موجود تھا کہنا لگا کہ اگر امیر نہیں جانتا اور انہیں نہیں پہچانتا تو کیا ہوا میں انھیں (اچھی طرح) پہچانتا ہوں۔جس پر شامی نے کہا : اے ابو فراس ! یہ کون ہیں؟ تو اس وقت فرزدق نے فی البدیہہ مدح امام زین العابدینؑ کی شان میں یہ طویل قصیدہ پڑھا :

يَا سَائِلِي أَيْنَ حَلَ الْجُودُ وَ الْكَرَمُ	**عِنْدِي بَيَانٌ إِذَا طُلَّابُهُ قَدِمُوا**

اے جود و کرم کا مقام پوچھنے والے ! آ ، میں تجھے بتاتا ہوں کہ کرم و سخاوت کہاں ہیں۔

هَذَا الَّذِى تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ	**وَ الْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَ الْحِلُّ وَ الْحَرَمُ**

یہی تو ہیں جن کے قدم کی جگہ کو مکہ پہچانتا ہے اور خانہ کعبہ اور حل وحرم بھی اچھی طرح سے انہیں پہچانتے ہیں۔

هَذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللهِ كُلِّهِمُ　　هَذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

یہ خدا کے افضل ہستی کے فرزند ہیں۔ یہ پرہیزگار، پاک و پاکیزہ اور سردار ہیں۔

هَذَا الَّذِی أَحْمَدُ الْمُخْتَارُ وَالِدُهُ　　صَلَّى عَلَيْهِ إِلَهِی مَا جَرَى الْقَلَمُ

یہ وہ ذات ہیں کہ حضرت احمد مختارؐ جن کے پدر بزرگوار ہیں اور جن پر روز اول سے خداوند عالم درود و سلام بھیجتا ہے۔

لَوْ يَعْلَمُ الرُّكْنُ مَنْ قَدْ جَاءَ يَلْثِمُهُ　　لَخَرَّ يَلْثِمُ مِنْهُ مَا وَطِئَ الْقَدَمُ

اگر رکن کعبہ اس انے والے کو جان لے جو اس کا بوسہ لے رہا ہے تو وہ خود اس کے نشان قدم کا بوسہ لیتا ہوا گر جائے گا۔

هَذَا عَلِيٌّ رَسُولُ اللهِ وَالِدُهُ　　أَمْسَتْ بِنُورِ هُدَاهُ تَهْتَدِی الْأُمَمُ

یہ امام علی ابن الحسینؑ ہیں کہ جن کے پدر بزرگوار رسول اللہؐ ہیں کہ جن کے نور ہدایت سے امتوں نے نجات پائی ہے۔

هَذَا الَّذِی عَمُّهُ الطَّيَّارُ جَعْفَرٌ　　وَ الْمَقْتُولُ حَمْزَةُ لَيْثٌ حُبُّهُ قَسَمٌ

یہ وہ ہیں جن کے چچا جعفر طیار اور جناب حمزہ شہید ہیں جو رزمگاہ کے شیر ہیں کہ جن کی محبت کی قسم کھائی جاتی ہے۔

هَذَا ابْنُ سَيِّدَةِ النِّسْوَانِ فَاطِمَةٍ   وَ ابْنُ الْوَصِيِّ الَّذِی فِی سَيْفِهِ نَقَمُ

یہ وہ ہستی ہیں جو عالمین کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ الزہراؑ کے فرزند ہیں اور اس مرد میدان وصی رسول کے لخت جگر ہیں کہ جن کی شمشیر میں دشمنانِ اسلام کے لیے عذاب ہے۔

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا   إِلَى مَكَارِمِ هَذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

جب انھیں قریش دیکھتے ہیں تو ان کا کہنے والا بول اٹھتا ہے کہ ان کی جوانمردی پر کرم کا خاتمہ ہوا ہے۔

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ   رُكْنُ الْحَطِيمِ إِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

قریب ہے کہ دیوارِ کعبہ کا رکن حجرِ اسود ان کے ہاتھ کو پہچان کر پکڑے جبکہ وہ اسے چومنے کے لیے آئیں۔

وَ لَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هَذَا بِضَائِرِهِ   الْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَ الْعَجَمُ

(اے ہشام) تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہیں؟ انھیں کوئی ضرر رساں نہیں، سارا عرب و عجم جانتا ہے کہ تو نے کس شخص کی عظمت کا انکار کیا ہے۔

يَنْمِى إِلَى ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِي قَصُرَتْ   عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْإِسْلَامِ وَ الْعَجَمُ

یہ ہستی عزت کی بلندی پر اس طرح فائز ہے کہ اس کے حاصل کرنے سے سارا عرب و عجم قاصر ہے۔

يُغْضِي حَيَاءً وَ يُغْضَى مِنْ مَهَابَتِهِ   فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ

وہ حیاء سے نگاہ کو نیچا رکھتے ہیں اور ان کے سامنے ہیبت سے لوگوں کی نگاہ نیچی رہتی ہے، ان کے ساتھ بات نہیں کی جاتی مگر جب وہ خود مسکراتے ہوں۔

يَنْجَابُ نُورُ الدُّجَى عَنْ نُورِ غِرَّتِهِ كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ إِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

ان کی پیشانی کے نور سے اندھیرے میں اجالا آ جاتا ہے جس طرح سورج کی روشنی سے رات کی تاریکی پھٹ جاتی ہے۔

بِكَفِّهِ خَيْزُرَانٌ رِيحُهُ عَبِقٌ مِنْ كَفِّ أَرْوَعَ فِي عِرْنِينِهِ شَمَمٌ

ان کے ہاتھ میں بید مشک ہے جس کی خوشبو ہر سمت پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اس خوش جمال کے ہاتھ میں ہے کہ جس کی ناک اونچی ہے۔

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِي تَشَهُّدِهِ لَوْ لَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاؤُهُ نَعَمٌ

انھوں نے سوائے تشہد کے لا کبھی نہیں کہا اگر تشہد میں لاالہ الا اللہ میں لا نہ ہوتا تو ان کا لا نعم بن جاتا۔

مُشْتَقَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ نَبْعَتُهُ طَابَتْ عَنَاصِرُهُ وَ الْخَيْمُ وَ الشِّيَمُ

ان کے وجود کی کونپل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درخت سے وجود سے تعلق رکھتی ہے اور ان کے جسمانی عناصر اور عادت و خصلت پاک و پاکیزہ ہیں۔

حَمَّالُ أَثْقَالِ أَقْوَامٍ إِذَا قَدِحُوا حُلْوُ الشَّمَائِلِ تَحْلُو عِنْدَهُ نَعَمٌ

یہ قوموں کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں جبکہ وہ قرض کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں، وہ شیریں عادات رکھنے والے ہیں۔

إِنْ قَالَ قَالَ بِمَا يَهْوَى جَمِيعُهُمْ وَ إِنْ تَكَلَّمَ يَوْماً زَانَهُ الْكَلِمُ

یہ جو کچھ کہتے ہیں تو وہی تمام لگ کہتے ہیں اور جب یہ کلام کرتے ہیں تو ان کے کلمات انھیں زینت بخشتے ہیں۔

هَذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ   بِجَدِّهِ أَنْبِيَاءُ اللهِ قَدْ خُتِمُوا

اگر تو (ہشام) نہیں جانتا تو سن ! کہ یہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کے بیٹے ہیں اور انہی کے جد بزرگوار پر نبوت کا اختتام ہوا ہے۔

اللهُ فَضَّلَهُ قِدْماً وَ شَرَّفَهُ   جَرَى بِذَاكَ لَهُ فِي لَوْحِهِ الْقَلَمُ

خدا نے ازل سے انھیں فضیلت دی ہے اور ان کے شرف و بزرگی کے لیے قلم کو لوح پر چلایا ہے۔

مَنْ جَدُّهُ دَانَ فَضْلُ الْأَنْبِيَاءِ لَهُ   وَ فَضْلَ أُمَّتِهِ دَانَتْ لَهُ الْأُمَمُ

انھیں کے جد بزرگوار وہ ہیں کہ سارے انبیاءؑ کی فضیلتیں انہی کے لیے ہیں اور ان کی امت کی وہ فضیلت ہے کی تمام امتیں جس سے واقف ہیں۔

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْإِحْسَانِ وَ انْقَشَعَتْ   عَنْهَا الْعَمَايَةُ وَ الْإِمْلَاقُ وَ الظُّلَمُ

انھیں نے احسان سے تمام مخلوق کو گھیر لیا ہے جس کی وجہ سے مخلوق سے رنج و غم، محتاجی اور افلاس جاتا رہا ہے۔

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا   تَسْتَوْكِفَانِ وَ لَا يَعْرُوهُمَا عَدَمٌ

ان کے دونوں ہاتھ مخلوقِ خدا کے فریاد رس ہیں کہ جن کا نفع اور احسان عام ہے اور جن پر یہ اپنے فیوض کو جاری کرنا چاہتے ہیں ان پر افلاس اور محتاجی کبھی نہیں آتی ہیں۔

سَهْلُ الْخَلِيقَةِ لَا تُخْشَى بَوَادِرُهُ　　يَزِينُهُ خَصْلَتَانِ الْحِلْمُ وَ الْكَرَمُ

یہ نہایت نرم عادت والے ہیں ان کے جلدی کے کاموں میں سے کوئی خوف نہیں آتا ان کی دو خصلتوں "بردباری اور کرم" نے انھیں آراستہ ومزیّن کر رکھا ہے۔

لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ مَيْمُوناً نَقِيبَتُهُ　　رَحْبُ الْفِنَاءِ أَرِيبٌ حِينَ يُعْتَرَمُ

یہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے، یہ تو مبارک خیالات والے ہیں ان کا صحن وسیع ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو یہ دانا اور عقلمند نظر آتے ہیں۔

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِينٌ وَ بُغْضُهُمْ　　كُفْرٌ وَ قُرْبُهُمْ مَنْجًى وَ مُعْتَصَمٌ

یہ اس گروہ میں سے ہیں کہ جن کی محبت دین ہے اور جن سے عداوت رکھنا کفر ہے اور جن سے قربت رکھنا نجات اور حفاظت کا باعث ہے۔

يُسْتَدْفَعُ السُّوءُ وَ الْبَلْوَى بِحُبِّهِمْ　　وَ يُسْتَزَادُ بِهِ الْإِحْسَانُ وَ النِّعَمُ

انہی سے محبت کی بدولت سخت سے سخت مشکلات اور سختیاں دور ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے نیکیوں میں زیادتی ہوتی ہے۔

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللهِ ذِكْرُهُمُ　　فِي كُلِّ فَرْضٍ وَ مَخْتُومٌ بِهِ الْكَلِمُ

خدا کے ذکر کے بعد فریضہ میں انہی کا ذکر کا درجہ ہے اور انہی کے ذکر پر کلام کا اختتام ہوتا ہے۔

إِنْ عُدَّ أَهْلُ التُّقَى كَانُوا أَئِمَّتَهُمْ أَوْ قِيلَ مَنْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قِيلَ هُمُ

اگر متقیوں کو شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ہیں اور اگر یہ پوچھ لیا جائے کہ رائے زمین پر سب سے بہتر کون ہیں تو وہ یہی نظر آتے ہیں۔

لَا يَسْتَطِيعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَايَتِهِمْ وَ لَا يُدَانِيهِمْ قَوْمٌ وَ إِنْ كَرُمُوا

جہاں پر یہ پہنچے ہوئے ہیں وہاں کسی جواں مرد کے پہنچنے کی طاقت نہیں، کوئی قوم خواہ کتنی ہی سخاوت کرنے والی ہو ان کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔

هُمُ الغُيُوثُ إِذَا مَا أَزْمَةٌ أَزِمَتْ وَالْأُسْدُ أُسْدُ الشَّرَى وَالْبَأْسُ مُحْتَدِمٌ

جب قحط کی تکلیف لوگوں کو بگاڑ دیتی ہے تو یہ باران رحمت بن کر برستے ہیں اور جب جنگ کا معرکہ گرم ہوتا ہے تو یہ کوہ سمیٰ کے شیروں کے بیشے کے شیر نظر آتے ہیں۔

يَأْبَى لَهُمْ أَنْ يَحِلَّ الذَّمُّ سَاحَتَهُمْ خَيْمٌ كَرِيمٌ وَ أَيْدٌ بِالنَّدَى هُضُمٌ

مذمت ان کے حق میں اترنے سے انکار کرتی ہے اور ان کے ہاتھ عطا و بخشش میں بڑھے ہوئے ہیں۔

لَا يَقْبِضُ الْعُسْرُ بَسْطاً مِنْ أَكُفِّهِمُ سِيَّانِ ذَلِكَ إِنْ أَثْرَوْا وَ إِنْ عَدِمُوا

تنگی ان کے ہاتھوں کی فراخی کو روک نہیں سکتی ان کے سامنے دونوں ہی برابر ہیں خواہ مالدار ہوں یا تنگ دست۔

إِنَّ القَبَائِلَ لَيْسَتْ فِي رِقَابِهِمْ لِأَوَّلِيَّةِ هَذَا أَوْ لَهُ نِعَمٌ

وہ کون سے قبائل ہیں جو ان کی اس افضیلت کی وجہ سے جس کا آغاز ہی فضل و کرم ہے ان کے غلام نہیں ہیں۔

مَنْ يَعْرِفِ اللهَ يَعْرِفْ أَوَّلِيَّةَ ذَا　　فَالدِّينُ مِنْ بَيْتِ هَذَا نَالَهُ الْأُمَمُ

جو خدا کو پہچانتا ہے وہ ان کی افضلیت کو بھی خوب جانتا ہے اور امتوں نے دین کو انہی کے گھر سے پایا ہے۔

بُيُوتُهُمْ فِي قُرَيْشٍ يُسْتَضَاءُ بِهَا　　فِي النَّائِبَاتِ وَعِنْدَ الْحِلْمِ إِنْ حَلُمُوا

ان کے گھر قریش میں ہیں کہ جن سے آفتوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے اور فیصلہ کے وقت یہی ہیں جو فیصلہ کرتے ہیں۔

فَجَدُّهُ مِنْ قُرَيْشٍ فِي أَزِمَّتِهَا　　مُحَمَّدٌ وَ عَلِيٌّ بَعْدَهُ عَلَمٌ

ان کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیؐ قریشی الاصل ہیں اور آپؐ کے بعد حضرت علیؑ مرتضیٰؑ سید و سردار ہیں۔

بَدْرٌ لَهُ شَاهِدٌ وَ الشِّعْبُ مِنْ أُحُدٍ　　وَ الْخَنْدَقَانِ وَ يَوْمَ الْفَتْحِ قَدْ عَلِمُوا

جن کی شجاعت کی بدر گواہ ہے اور اُحد کی گھاٹیاں شاہد ہیں اور خیبر و خندق نیز فتح کے دن انھیں اچھی طرح جانتے ہیں۔

وَ خَيْبَرٌ وَ حُنَيْنٌ يَشْهَدَانِ لَهُ　　وَ فِي قُرَيْضَةَ يَوْمٌ صَيْلَمٌ قَتَمٌ

معرکہ خیبر و حُنین ان کی شجاعت کی گواہی دیتے ہیں، اور قریضہ میں وہ دن گواہ ہے جو سخت تھا اور جنگ لا غبار اڑا رہا تھا۔

مَوَاطِنٌ قَدْ عَلَتْ فِي كُلِّ نَائِبَةٍ　　عَلَى الصَّحَابَةِ لَمْ أَكْتُمْ كَمَا كَتَمُوا

اور بہت سے مواقع گواہی دیتے ہیں جو صحابہ پر مصیبتیں لائے، میں ان کو نہیں چھپاتا جیسا کہ دوسرے لوگوں نے ان واقعات پر پردہ ڈالا ہے۔

اس قصیدے کو سن کر ہشام بن عبد الملک غصہ میں آگیا اور اس نے قصیدے کے اشعار کی نشر و اشاعت کو روک دیا اور کہنے لگا : کہ کیا تم ہمارے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتا؟

تو فرزدق نے جواب دیا کہ ان کے جد اور ماں باپ جیسا تو کسی کو لے آ ؤ تو میں اس جیسی مدح کرنے کو تیار ہوں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہشام نے م اور مدینہ کے درمیان مقامِ عسفان میں فرزدق کو قید کر دیا۔ جب امام زین العابدینؑ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؑ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو دینے کا حکم فرما کر کہلا بھیجا کہ اے ابو فراس! ہماری جانب سے عذر قبول کرو اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو ہم اور زیادہ صلہ بھیجتے۔

فرزدق شاعر نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ فرزند رسول ﷺ! میں نے جو کچھ کہا ہے خدا اور اس کے رسولؐ کے عقاب سے نجات کے لیے کہا ہے اور میں اس کے عوض کچھ بھی نہ لوں گا۔

امام زین العابدینؑ نے وہ درہم فرزدق ہی کو واپس کیے اور اپنے حق کی قسم دے کر فرمایا کہ انھیں قبول کرو۔

چنانچہ فرزدق نے قبول کر لیے پھر فرزدق نے قید کی حالت میں ہشام کی مذمت لکھ ڈالی :

أ یحبسنی بین المدینةِ و التی	الیها قلوب الناس یهوی منیبها
یقلب راسا لم یکن راس سید	و عینا له حولاء باد عیوبها

کیااس نے مجھے مدینہ اور اس جگہ (مکہ) کے درمیان قید کر دیا کہ جس کی طرف لوگوں کے دل معافی مانگتے اور توبہ کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ وہ سر کو پلٹتا ہے رہتا ہے جو کسی مردار کا سر نہیں ہے اور آنکھوں کو گردش دیتا رہتا ہے جو بھینگی ہیں کہ جن کے عیب ظاہر ہیں۔

ہشام کو اس ہجو کی خبر ہوئی تو اس نے فرزدق کو رہا کر دیا اور ابو بکر علاف کی روایت یہ ہے کہ ہشام نے انھیں بصرہ کی طرف نکال دیا۔[1]

1 (بحار الانوار ج6 ص125)

(6)

آیتِ بَلِّغ

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاَنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ۔[1]

ترجمہ: اے پیغمبر جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے کامل طور سے (لوگوں تک) پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا کہ کوئی کار رسالت سر انجام ہی نہیں دیا اور خداوند تعالیٰ تمھیں لوگوں کے (ان خطرات سے) (جن کا احتمال ہے) محفوظ رکھے گا اور خداوند تعالیٰ (ہٹ دھرم) کفار کی ہدایت نہیں کرتا۔

---

1 (سورہ المائدہ، آیت 67)

آیت کا شان نزول:

شیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ آیت کے شان نزول کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ یہ آیت شریفہ 18 ذی الحجۃ الحرام بروز جمعرات 10 ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ غدیر خم نامہ جگہ پہنچ گئے تھے۔ چانچہ آپؐ نے آگے نکل جانیوالوں کو واپس بلایا اور آنے والوں کا انتظار کیا اور تقریبا ایک لاکھ کے مجمع میں حضرت علیؑ کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا : ان اللہ مولای و انا مولا المومنین وانا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان کے نفسوں سے اولی ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کے علی ع مولا ہیں۔

اس کے بعد فرمایا : اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ و ابغض من ابغضہ و اخذل من خذلہ و ادر الحق معہ حیث دار الا فیبلغ الشاھد الغائب۔ یعنی باری الہا جو علیؑ کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو علیؑ سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو علیؑ سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد سے کنارہ کشی کرے تو اس سے اپنی مدد سے محروم رکھ اور حق کو ادھر پھیر دے جدھر علیؑ رخ کرے۔[1]

---

1 (تفسیر الکوثر، ج2 ص513)

حافظ سید فرمان علیؒ فرماتے ہیں کہ سچ یوں ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ ایک عرصہ سے چاہتے تھے کہ علی ابن ابی طالبؑ کو اپنا خلیفہ نامزد کریں مگر کچھ اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے خوف سے اس پر اقدام نہ کرتے تھے آخر خدا نے آخری حج کے موقع پر راستہ میں تاکیدی حکم نازل کیا تب تو حضرت رسول اکرم ﷺ مجبور ہوگئے اور ایک مقام پر جس کا نام غدیر خم تھا ایک لاکھ آدمیوں کے سامنے اپنا خلیفہ نامزد کیا اور پھر لوگوں نے حضرت علیؑ کو ان کی خلافت و ولایت کی مبارکباد دی۔ شعراء نے قصیدے نظم کیے چنانچہ حسّان بن ثابت کا یہ مشہور ہے (یاد رہے کہ حسان ابن ثابت کا مشہور قصیدہ آگے آرہا ہے) :

فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِيُ فَاِنَّنِی
رَضِيْتُكَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَاماً وَ هَا دِياً

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو اے علیؑ ! بے شک میں اس بات پر راضی ہوں کہ آپ میرے بعد میری امت کے امام اور رہبر قرار پائیے۔

صاحب تفسیر در منثور کا نظریہ:

مشہور اہل سنت مفسر امام جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں آیت بلغ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی اسی وجہ سے ابن مردویہ نے عبد اللہ بن مسعود سے رویت کی ہے کہ ہم لوگ

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے : یآایّھا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ انَّ عَلِیّاً مَولی المومنین واِنْ لم تفعل بلّغت رسالته واللہ یعصمك من الناس۔ اے رسول ﷺ ! دو حکم اس بات کا کہ علیؑ تمام مومنین کے حاکم ہیں جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کو کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ [1]

حکم تاکیدی اعلان ولایت جناب امیرؑ بروز غدیر:

سرکار سید العماء علامہ سید علی نقی نقنؒ تفسیر فصل الخطاب میں رقمطراز ہی کہ الفاظ آیت سے ظاہر ہے کہ کسی خاص اتارے ہوئے اہم حکم کی تبلیغ کیلئے تاکید کی گئی ہے اور اس لیئے خود آیت کے الفاظ جستجو پیدا کرتے ہیں کہ وہ کونسا اہم حکم تھا اور جب شیعہ مفسرین کے یہاں بلکہ بہت سے سنی تفاسیر اور احادیث میں بھی یہ مل جاتا ہے کہ اور ائمہ اہل بیتؑ کا ارشاد بھی اس کے مطابق ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں ولایت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے حکم کی تبلیغ کے متعلق آئی ہے جس کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم میں وہ تاریخی اعلان فرمایا کہ من کنت مولاہ فھٰذا علیٌ مولاہ "جس جس کا میں مولا اس اس کا

1 (تفسیر در منثور، ج2، ص817)

یہ علیؑ مولا ہے" توآسودگی محسوس ہونے لگتی ہے اور جستجو کا سفینہ ساحلِ مراد تک پہنچ جاتا ہے۔

آیت کے الفاظ کی تفسیر:

شیخ محسن علی نجفی دامت برکاتہ فرماتے ہیں کہ آیت میں یاآیّھا الرَّسولُ کے ساتھ خطاب یہ عندیہ دے رہا ہے کہ آگے ملنے والا حکم منصب رسالت سے مربوط اہم معاملہ ہے جس کا نہ پہنچانا ساری رسالت کے نہ پہنچانے کے مترادف ہے۔اور یہ کہ یہ سورہ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں نازل ہوا ہے۔ فتح مکہ، فتح خیبر، فتح خندق کے بعد تبلیغ رسالت میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لہٰذا جس خطرے کا آیت میں ذکر ہے وہ خود رسولؐ کو لاحق کسی خطرے کا ذکر نہیں ہو سکتا نیز شان رسالت اس بات سے بالاتر ہے کہ کسی ذاتی خوف و خطرے کی وجہ سے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کریں۔

اور آیت میں و ان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے حکم کی تبلیغ کی بات ہے جس پر پورے اسلامی نظام کا دارومدار ہے۔ اور ما اُنْزِلَ الیكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم پہلے سے رسول ﷺ پر نازل ہو چکا تھا۔ شاید رسول ﷺ اس کی تبلیغ کیلئے مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور ساتھ خود اہل اسلام کی طرف سے الزام تراشی کا خطرہ بھی لاحق تھا کہ رسول ﷺ کنبہ پرستی کرتے ہیں، کیوں کہ اس وقت کے معاشرے میں اگرچہ مخلص مومنین کی کمی نہیں تھی تاہم ان میں منافقین بھی تھے، ضعیف الایمان لوگ بھی تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو بقول قرآن کے ان کے دلوں میں

مرض ہے اور کچھ لوگ رسول اللہؐ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرتے تھے اور قانون سازی میں خود رسول ﷺ کے عمل دخل کو بعید از قیاس نہیں سمجھتے تھے۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

شیخ محسن علی نجفی قبلہ لکھتے ہیں کہ اِنَّ اللہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اس حکم کی تبلیغ میں خود امت کے افراد سے خطرہ لاحق تھا تو جملہ لایھدی القوم الکافرین مناسب نہیں ہوتا کیونکہ اس حکم کا کافروں سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟

اس کے بعد شیخ صاحب خود ہی جواب دیتے ہیں کہ یہاں کفر سے مراد اسی آیت بلغ کے مندرجات (یعنی ولایت علیؑ) کا انکار ہے، جیسا کہ آیہ حج میں فرمایا: وَلِلّٰہِ علی الناس حج البیتِ مَنِ استطاع الیہ سبیلا۔ و من کفر فاِنَّ اللہ غنیٌّ عن العالمین[1] اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر جانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے اور جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے تو (اس کا اپنا نقصان ہے) اللہ تو اہل عالم سے بے نیاز ہے۔

یہاں اس آیت میں کفر سے مراد حج کا انکار ہے۔[2]

---

1 (آل عمران آیت 97)

2 (تفسیر نمونہ، ج 2 ص 514)

واقعہ غدیر:

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ تفسیر نمونہ میں واقعہ غدیر کا خلاصہ کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا' حجۃ الوداع کے مراسم جس قدر وقار و پر شکوہ ہو سکتے اس قدر پیغمبر اکرمؐ کی ہمراہی میں اختتام پذیر ہوئے۔ سب کے دل روحانیت سے سرشار تھے ابھی ان کی روح اس عظیم عبادت کی معنوی لذت کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی۔ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس عظیم نعمت سے فیض یاب ہونے اور اس سعادت کے حاصل ہونے پر پھولے نہیں سما سکتے تھے' یاد رہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ جانے والوں کی تعداد بعض نے نوے ہزار' بعض نے ایک لاکھ چودہ ہزار' بعض نے ایک لاکھ بیس ہزار اور بعض نے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار تک لکھا ہے۔

نہ صرف مدینے کے لوگ اس سفر میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ تھے بلکہ جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مختلف حصوں کے مسلمان بھی یہ عظیم تاریخی اعزاز و افتخار حاصل کرنے کیلئے آپؐ کے ہمراہ تھے۔

سرزمین حجاز کا سورج درّون اور پہاڑوں پر آگ برسا رہا تھا لیکن اس سفر کی بے نظیر روحانی مٹھاس تمام تکلیفوں کو آساں بنا رہی تھی ۔ زوال کا وقت نزدیک تھا' آہستہ آہستہ جحفہ کی سرزمین اور اس کے بعد خشک اور جلانے والے "غدیر خم" کے بیابان نظر آنے لگے۔

دراصل یہاں پر ایک چوراہا ہے جو حجاز کے لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ شمالی راستہ مدینہ کی طرف دوسرا مشرقی راستہ عراق کی طرف' تیسرا راستہ مغربی ممالک اور مسر کی طرف اور چوتھا جنوبی راستہ سر زمینِ امن یمن کو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پر آخری مقصد اور اس عظیم سفر کا اہم ترین کام انجام پذیر ہونا تھا تاکہ مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کی اہم ذمہ داریوں میں سے ان کا آخری حکم جان کر ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

جمعرات کا دن تھا اور ہجرت کا دسواں سال تھا۔آٹھ دن عید قربان کو گزرے تھے کہ اچانک پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے ان کے ہمرائیوں کو ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔ مسلمانوں نے بلند آواز سے ان لوگوں کو جو قافلے کے آگے آگے چل رہے تھے واپس لوٹنے کیلئے پکارا اور اتنی دیر کیلئے ٹھہر گئے کہ پیچھے آنے والے لوگ بھی پہنچ جائیں۔ آفتاب خط نصف النہار سے گزر گیا تو پیغمبر اسلام ﷺ کے مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ لوگوں کو نماز ظہر ہڑھنے کی دعوت دی۔ مسلمان جلدی جلدی نماز پڑھنے کیلئے تیار ہوگئے۔ لیکن فضا اتنی گرم تھی کہ بعض لوگ مجبور تھے کہ وہ اپنی عبا کا کچھ حصہ پاؤں کے نیچے اور باقی حصہ سر کے اوپر لے لیں۔ ورنہ بیابان کی گرم ریت اور سورج کی شعاعیں ان کے سر اور پاؤں کو تکلیف دے رہے تھے۔ اس صحرا میں کوئی سائباں نظر آتا تھا اور نہ ہی کوئی سبزہ یا گھاس صرف چند بے برگ و بار بیابانی درخت تھے جو گرمی کا سختی کے مقابلہ کرتے تھے کچھ لوگ انہی چند درختوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور انہوں نے ان برہنہ درختوں پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ

کیلئے ایک سائباں سا بنا رکھا تھالیکن گرم ہوا اس سائبان کے نیچے سے گزرتی ہوئی سورج کی جلانے والی گرمی کو اس سائبان کے نیچے بھی پھیلا رہی تھی۔ بہر حال ظہر کی نماز پڑھ لی گئی۔

مسلمان ارادہ کر رہے تھے کہ فوراً اپنے چھوٹے چھوٹے خیموں میں جا کر پناہ لیں جو انہوں نے اپنے ساتھ اٹھا رکھے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ سب کے سب خداوند تعالیٰ کا ایک نیا پیغام سننے کیلئے تیار ہوں جسے ایک مفصل خطبے کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

جو لوگ رسول اللہؐ سے دور تھے وہ پیغمبرؐ کا ملکوتی چہرہ اس عظیم اجتماع میں دور سے نہیں دیکھ پا رہے تھے لہٰذا اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ پیغمبر اسلامؐ اس کے اوپر تشریف لے گئے۔ پہلے پروردگار عالم کی حمد و ثناء بجالائے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے یوں خطاب فرمایا: میں عنقریب خداوند تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تمھارے درمیان سے جارہا ہوں میں بھی جوابدہ ہوں اور تم جوابدہ ہو تم میرے بارے میں کیا گواہی دو گے لوگوں نے بلند آواز کہا: نشهد انّك قد بلّغتَ و جهدت فجزاك اللهُ خيراً یعنی ہم گوہی دیں گے کہ آپؐ نے فریضہ رسالت انجام دیا اور خیر خواہی کی ذمہ داری کو انجام دیا اور ہماری ہدایت کی راہ میں سعی و کوشش کی، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: کیا تم لوگ خدا کی وحدانیت، میری رسالت اور روز قیامت کی حقانیت اور اس دن مردوں کے قبروں سے مبعوث ہونے کی گواہی نہیں دیتے؟

سب نے کہا: کیوں نہیں ہم سب گواہی دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: خداوندا گواہ رہنا۔

آپؐ نے مزید فرمایا: لوگو! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟

انہوں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہؐ۔

اس کے بعد سارے بیابان پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔ سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے کوئی چیز سنائی نہیں دیتی تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! میں تمہارے درمیان دو گراں مایہ اور گرانقدر چیزیں بطور یادگار چھوڑے جارہا ہوں تم ان کے ساتھ کیا سلوک کروگے؟

حاضرین میں سے ایک شخص نے پکار کر کہا: یارسول اللہؐ وہ دو گرانقدر چیزیں کونسی ہیں؟

توپیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: پہلی چیز تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ثقل اکبر ہے۔ اس کا ایک سرا تو پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے' اس سے ہاتھ نہ ہٹانا ورنہ تم گمراہ ہوجاؤ گے اور دوسری گرانقدر یادگار میرے اہل بیتؑ ہیں اور مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں مجھ سے آملیں۔

ان دونوں سے آگے بڑھنے اور ان سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرنا اور نہ ہی ان سے پیچھے رہنا کہ اس سورت میں تم ہلاک ہوجاؤ گے۔

اچانک لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ارد گرد نگاہیں دوڑا رہے ہیں گویا کسی کو تلاش کررہے ہیں جونہی آپؐ کی نظر حضرت علی ابن ابی طالبؑ پر

پڑی فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں اتنا بلند کیا کہ دونوں کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور سب لوگوں نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو وہی سپہ سالار ہے کہ جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔

اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز زیادہ نمایاں اور بلند ہو گئی اور آپؐ نے ارشاد فرمایا: ایّها الناس مَنْ اولی الناس بالمومنین من انفسهم

یعنی اے لوگو! بتاؤ وہ کون ہے جو تمام لوگوں کی نسبت مومنین پر خود ان سے زیادہ اولیت رکھتا ہے؟

اس پر سب حاضرین نے بہ یک آواز جواب دیا کہ خدا اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں۔

تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: خدا میرا مولا اور رہبر ہے اور میں مومنین کا مولا اور رہبر ہوں اور ان کے اوپر ان کی نسبت خود ان سے زیادہ حق رکھتا ہوں اور میرا ارادہ ان کے ارادہ سے مقدم ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی جس جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس اس کا مولا و رہبر ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس جملے کی تین بار تکرار کی اور امام حنابلہ حضرت امام احمد بن حنبل کے بقول پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ جملہ چار مرتبہ دہرایا اور اس کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

اللهم وال من والاہ و عاد من عاداہ و احب من احبه و ابغض من ابغضه و انصر من نصرہ و اخذل من خذله و ادر الحق معه ضیث ما دار۔

یعنی باری الٰہا جو علیؑ کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو علیؑ سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو علیؑ سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد سے کنارہ کشی کرے تو اس سے اپنی مدد سے محروم رکھ اور حق کو ادھر پھیر دے جدھر علیؑ رخ کرے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ یعنی تمام حاضرین آگاہ ہو جائیں اس بات پر کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں پر اور اس وقت موجود نہیں ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کا خطبہ ختم ہو گیا۔ پیغمبرؐ پسینے میں شرابور تھے حضرت علیؑ بھی پسینے میں یہائے ہوئے تھے۔ دوسرے تمام حاضرین کے بھی سر سے پاؤں تک پسینہ بہ رہا تھا۔ ابھی اس جمعیت کی صفیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئی تھیں کہ جبرائیل امین احی لے کر نازل ہوئے اور تکمیل دین کی پیغمبر اسلام ﷺ کو بایں الفاظ بشارت دی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔۔۔۔۔(آیت نمبر3)

"آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین اور آئین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا"

اتمام نعمت کا پیغام سن کر پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: اللہ اکبر۔ اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرّب برسالتی و الولایۃ لعلی من بعدی: ہر طرح کی بزرگی و بڑائی خدا ہی کیلئے ہے کہ جس نے اپنے دین کو کامل فرمایا اور

اپنی نعمت کو ہم پر تمام کیا اور میری نبوت و رسالت اور میرے بعد کیلئے علیؑ کی ولایت کیلئے خواش ہوا۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان سن کر حاضرین میں مبارکباد مبارکباد کا شور برپا ہوا۔ لوگ بڑھ چڑھ کر اس اعزاز و منصب پر حضرت علیؑ کو اپنی طرف سے مبارک باد پیش کرتے تھے۔

معروف شخصیتوں میں سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرف سے مبارکباد کے یہ الفاظ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں کہ انہوں نے فرمایا: بخٍ بخٍ لك یاابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولای و مولا کل مومن و مومنة۔

مبارک ہو ! مبارک ہو ! اے فرزند ابی طالب کہ آپؑ میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر ہو گئے [1]

واقعہ غدیر کی تاریخی اہمیت:

صاحب الغدیر علامہ کبیر عبد الحسین احمد الامینی اپنی شہرہ آفاق کتاب " الغدیر" کے جلد اول میں واقعہ غدیر کی تاریخی اہمیت کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ امر میں کسی بھی صاحب شعور کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں کہ کسی چیز کی برتری اور شرف اس وقت متصور ہو گا جب اس کی غرض و غایت میں شرف اور برتری ہو۔ اس کلیہ کے لحاظ سے تاریخ انسانی کے واقعات میں سے وہی واقعات

1۔(تفسیر نمونہ، ج2 ص418 تا421)

عظیم اہمیت رکھتے ہیں جن پر کسی دین کی بنیاد پڑ گئی ہو، جس کے تحت کوئی ملت زندگی کی راہ پر چلتی ہو، جن پر کسی قوم کے معتقدات کی اساس ہو، جن پر کسی امت کے مذہبی حقائق کا دارومدار ہو،ان واقعات کی اسی اہمیت کے پیش نظر ائمہ تاریخ ادیان کے مبادیات اور تعلیمات کو ضبط تحریر میں لانے کے سلسلے میں جان جوکھوں میں ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان تمام امور کو قلم بند کرتے ہیں جو ان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

جب کوئی مورخ ان اہم واقعات کے بیان کرنے میں تساہل سے کام لے، تو اس کی تاریخ میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گا جسے کوئی کوشش پُر نہیں کر سکے گی۔ اس رخنہ کی حد یہاں تک پہنچ جائے گی کہ نہ واقعات کے سلسلے کی ابتداء معلوم ہو نہ انتہاء کا پتہ۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ قاری پر واقعات کا اول و آخر مشتبہ ہو جائے گا۔

غدیر خم کا واقعہ اسی قسم کے عظیم اور مہتمم بالشان تاریخی واقعات میں سے ہے، جس کی بنیاد پر دوسرے دلائل کے علاوہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے شیعوں کا مذہب کھڑا ہے۔ یہ قوم دنیا کے اندر ملین کی تعداد میں ہے، جس میں علم اور بزرگی ہے۔ ان میں علماء، حکماء اور برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ ان کے اندر قدیم و جدید علوم میں اصحاب کمال پائے جاتے ہیں۔ ان میں بادشاہ ہیں، سیاست دان ہیں، امراء ہیں اور قائدین ہیں۔ یہ طبقہ اپنے فضل و شرف، علمی و ادبی ارتقاء اور تصنیف و تالیف کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبے پر فائز ہے۔ اگر مورخ اسی گروہ سے متعلق ہے تو اس پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملت تک ابتدائے دعوت (واقعہ غدیر خم کے واقعہ) پہنچا دے۔ اگر اس سے منسلک

نہیں ہے تو اس کیلئے یہ شایانِ شان نہیں کہ اس جیسی بڑی قوم کی تاریخ لکھتے وقت، اس واقعہ کو سبک بنا کر بر سبیل تذکرہ بیان کر دے۔ یا اپنے جذبات کے زیر اثر یا اپنی قوم کیلئے جانبداری کے پیش نظر اس واقعہ (غدیر خم) پر طعن کر کے اس کی حقیقی دلالت کی ناتمامی کا نقص بتلائے، درحال کہ اس کی سند میں کوئی عیب تلاش کرنے کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نبی اسلام ﷺ نے غدیر خم کے دن جو اپنی حدیث کا مفہوم واضح فرمایا تھا اس کے بارے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں تھا۔ اب جو حدیث کے معنی مراد میں بعد میں اختلاف ڈالا گیا ہے، وہ صرف اغراض و مقاصد کا نتیجہ ہے جیسا کہ ہر صاحبِ بصیرت اور ذی ہوش جانتا ہے۔

اس کے بعد علامہ امینیؒ لکھتے ہیں کہ واقعہ غدیر کو آئمہ تاریخ میں سے مندرجہ ذیل مورخین نے لکھا ہے:

(1) "بلاذری" متوفی 279ھ نے اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں۔

(2) "ابن قتیبہ" متوفی 276ھ نے "المعارف" اور "الامامۃ و السیاسۃ" میں۔

(3) "طبری" متوفی 310ھ نے کتاب "مفرد" میں۔

(4) "ابن زولاق اللیثی المصری" متوفی 287ھ نے اپنی تالیف میں۔

(5) "خطیب بغدادی" متوفی 46ھ نے اپنی کتاب "تاریخ" میں۔ (الغدیر، ج1، ص37، 38)

ابن تیمیہ کا موقف واقعہ غدیر سے متعلق:

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو شروع ہی سے صرف دشمنی اور ہٹ دھرمی سے اس پر بحث کرتے ہیں بلکہ انہوں نے شیعوں کی ہتک و توہین، بدگوئی اور دشنام طرازی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنا موقف اپنی کتاب " منھاج السنہ " میں بیان کیا ہے اس میں اس کی حالت بالکل اس شخص کی طرح ہے جو روز روشن میں اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنی انگلیاں زور سے کانوں میں ٹھوس لے اور چلانا شروع کر دے کہ سورج کہاں ہے؟

نہ تو اس وہ اپنی آنکھوں کو کھولنے کیلئے تیار ہوتا ہے کہ کچھ حقائق کو دیکھ لے نہ کانوں سے انگلیاں نکالنے پر آمادہ ہوتا ہے کہ کچھ اسلامی محدثین و مفسرین کی داد و فریاد سن سکے۔ بس مسلسل اور پے در پے گالیاں دیئے چلے جارہا ہے اور ہتک حرمت پر کمر بستہ ہے۔ ایسے افراد جہالت، بے خبری، ہٹ دھرمی اور خشونت آمیز تعصب کے ہاتھوں اتنے مجبور ہیں کہ ایسے واضح اور بدیہی مسائل کا بھی انکار کر دیتے ہیں جن کا ہر آدمی آسانی کے ساتھ ادراک کر سکتا ہے لہٰذا ایسے شخص کی باتیں نقل کرنے کی ہم اپنے آپ کو بھی زحمت دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے جوابات پڑھنے کی تکلیف قارئین کو دیتے ہیں کیوں کہ عظیم اسلامی علماء و مفسرین جن کی اکثریت علماء اھل سنت میں سے جنھوں نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور جو شخص ان کے خلاف ڈھٹائی سے کہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسی کوئی چیز کتاب میں نقل

نہیں کی '، ایسے شخص کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اور ایسے آدمی کی بات کیا وزن رکھتی ہے کہ جس پر ہم بحث کریں۔

اس کے آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں کہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ " ابن تیمیہ " نے ان بہت سی معتبر کتابوں کے مقابلے میں کہ جن میں اس آیت کے حضرت علیؑ کی شان میں نازل کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے '، اپنی براءت کیلئے اس مضحکہ خیز جملہ پر اکتفاء کیا ہے : "ان علماء میں سے جو یہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کہ رہے ہیں کوئی بھی اس آیت (بَلِّغْ) کو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونا نہیں جانتا"

گویا صرف وہ علماء جو ابن تیمیہ کے عناد آلود ہٹ دہرمی کے افراط زدہ میلانات کے ساتھ ہم آواز ہیں صرف وہی سمجھتے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں '، ورنہ جو شخص اس کا ہم آواز نہیں ہے وہ ایسا دانشمند ہے کہ جسے یہ پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہ ایسے شخص کی منطق ہے جس کی فکر پر خود خواہی اور ہٹ دھرمی سایہ فگن ہے ہم اس گروہ کا ذکر یہیں چھوڑتے ہیں۔ (تفسیر نمونہ '، ج 2 '، ص 422)

حدیث غدیر کے معنی پر ایک نظر:

یہاں تک اس حدیث مبارک (فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ) کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہونے کے بارے میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اب رہ گئی اس کی ہمارے مولا امیر المومنینؑ کی امامت پر دلالت '، تو ہم کسی اور چیز میں شک کر سکتے ہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس میں ہم کوئی

شک نہیں کر سکتے کہ لفظ مولا چاہے اپنے لغوی معنوں میں صراحت رکھتا ہو یا مختلف معنوں میں مشترک ہونے کی بنا پر مجمل ہو اور چاہے امامت پر اس کی دلالت کے سلسلے میں کہ جس کو ثابت کرنے کا ہمارادعویٰ ہے۔ قرائن سے خالی ہو یا قرائن پر مشتمل ہو یہ لفظ اس مقام پر صرف اور صرف امامت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس موقع پر موجود ایک جم غفیر نے اور اس کے بعد جن لوگوں تک اس کی خبر پہنچی کہ جن کی بات لغت میں مستند مانی جاتی ہے انھوں نے اس لفظ سے یہی معنی اخذ کئے اور ان کے بعد شعراء اور ادب کے حلقوں میں حتیٰ ہمارے زمانہ تک یہی معنی سمجھ میں آتے رہے ہیں اور یہ چیز اس مراد لئے گئے معنی پر قطعی دلیل ہے۔

ایک اہم اعتراض اور اس کا جواب :

کیا مولیٰ کا معنی اولیٰ بالتصرف ہے؟

اہم ترین اعتراض جو حدیث غدیر--من کنت مولاہ فحیذا علیؑ مولاہ— کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے یہ ہے کہ " مولیٰ" کے معانی میں سے ایک معنی دوست اور یاور و مددگار بھی ہیں اور ہمیں کیسے معلوم ہو کہ یہاں مولا کا معنی رہبر اور اولی بہ تصرف کے ہیں دوست کے نہیں؟

حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دامت بر کاتہ لکھتے ہیں کہ اس بات کا جواب کوئی مشکل یا پیچیدہ نہیں ہے کیونکہ ہر غیر جانبدار دیکھنے والا شخص جانتا ہے کہ علیؑ کی دوستی کا ذکر اور یاددہانی کیلئے ان مقدمات و تشکیلات اور خشک

جلادینے والے بیابان کے وسط میں خطبہ پڑھنے 'لوگوں کو وہاں ٹھہرانے اور ان سے پے در پے اقرار لینے اور اعتراف کرانے ی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے دوستی رکھنا مسائل اسلامی میں سے ایک بدیہی ترین مسئلہ تھا جو آغاز اسلام سے ہی موجود تھا۔ علاوہ ازیں یہ کوئی ایسا مطلب نہیں تھا جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی تک تبلیغ نہ کی ہو بلکہ آپؐ تو بارہا اس کی تبلیغ کر چکے تھے۔

علاوہ ازیں کیا حدیث ثقلین اور وداع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والی تعبیرات کا حضرت علیؑ کی دوستی کے مسئلہ سے بھی کوئی ربط ہو سکتا ہے ؟ حضرت علیؑ کی مومنین کے ساتھ ایک عام دوستی کا تقاضیٰ یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قرآن کے ہم پلہ قرار دے دیں۔

کیا غیر جانبدار دیکھنے والا شخص اس تعبیر سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہاں پر مسئلہ رہبری اور امامت سے متعلق گفتگو ہو رہی ہے کیوں کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد قرآن مسلمانوں کا پہلا رہبر ہے لہٰذا اسی بنیاد پر اہل بیتؑ مسلمانوں کے دوسرے رہبر ہیں۔ (تفسیر نمونہ 'جِ 2 ص 422)

مولا کے معنی حاکم ورہبر ہونے کے قرینے:

یہاں تک کسی بھی محقق کیلئے یہ بات تسلیم کرنے کے سواء کوئی چارہ نہیں کہ مولا کے معنی اولیٰ بہ تصرف اور حاکم و رہبر کے ہیں لیکن بالفرض اگر ہم تسلیم بھی لرلیں کہ یہ اس کے ایک معنی ہیں اور مولا مشترک لفظی ہے' تب

اس حدیث کے ساتھ کچھ متصل اور منفصل قرینے ایسے ہیں جو مانع ہیں کہ مولا سے کوئی اور معنی مراد لئے جائیں۔ ان قرینوں کو ملاحظہ کیجیے :

پہلا قرینہ :

پہلا قرینہ مقدمہ حدیث ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے : الستُ اولیٰ بکم من انفسکم ؟ کیا میں تمھارے جانوں پر حق اولویت نہیں رکھتا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : فمن کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ۔

دوسرا قرینہ :

دوسرا قرینہ حدیث کے ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے : اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ اے اللہ اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اسے دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی کرے اور اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اس کو رسو کر جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

تیسرا قرینہ :

تیسرا قرینہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول ہے اے لوگو ! تم کس کی گواہی دیتے ہو؟ تو لوگوں نے کہا : ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ! فرمایا : پھر کس بات کی گواہی دیتے ہو؟ عرض کیا : ہم گوہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بندہ اور رسول ہے فرمایا : تمھارا ولی کون ہے؟ عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول ہمارا مولا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ

پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا: من یکن اللہ و رسولہ مولاہ، فان ھٰذا مولا یعنی جس کا اللہ اور رسول مولا ہیں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔

چوتھا قرینہ:

چوتھا قرینہ حدیث غدیر کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ قول ہے: اللہ اکبر اللہ اکبرعلی اکمال الدین و اتمام النعمة و رضی الرب بسالتی و الولایة لعلی ابن ابی طالب علیہ السلام یعنی دین کے اکمال اور نعمتوں کے اتمام اور پروردگار عالم کے میری رسالت اور علی ابن ابیطالبؑ کی ولایت سے راضی ہونے پر اللہ کی کبریائی بیان کرنا شاہد ہے۔

پانچواں قرینہ:

پانچواں قرینہ بیان ولایت سے پہلے سرور دوعالم کا یہ قول ہے: کانی دعیت فاجبت، یوشك ان یدعیٰ فاجیب اس کا مفہوم یہ ہے کہ عنقریب داعی اجل میرے پاس آنیوالا ہے اور میں اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔

اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک اتنے اہم ترین امر کی تبلیغ نہیں فرمائی تھے جو آپؐ کے بعد امت میں ہادی کے طور پر باقی رہتا۔ وہ اہل بیتؑ کے سواء کون ہو سکتا تھا۔

چھٹا قرینہ:

چھٹا قرینہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ مجھے تہنیت دو مجھے تہنیت دو اس لیے کہ خدا نے مجھے نبوت اور میرے اہل بیت کو امامت سے مخصوص کیا ہے۔

ساتواں قرینہ:

بیان ولایت کے بعد حضور ختمی مرتبت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: فیبلغ الشاھدُ الغایبَ جو حاضر ہیں ہے وہ غائب تک اس خبر کو پہنچا دے۔

پس صرف دوستی کی خبر پہنچانے کا معنی ہی نہیں بنتا ہے سوائے ولایت و امامت اور رہبری کے۔

آٹھواں قرینہ:

یوم غدیر کو یوم نصب کے نام سے جانا گیا ہے چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب سے منقول ہے: نصّب رسولُ اللہ یوم الغدیر علیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے غدیر کے دن حضرت علیؑ کو منصوب کیا۔

پس یوم غدیر کو یوم نصب کہنا بتاتا ہے کہ ولی و رہبر منصوب ہوتا ہے دوست منصوب نہیں ہوتا۔

نواں قرینہ:

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے من کنت مولاہ علیؑ مولاہ بیان فرمایا تو آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی نازل ہوئی ' تو صرف دوستی کے اعلان سے دین کامل ہونا ممکن ہے بلکہ دین کے لیے علیؑ ولی کی شکل میں ایک مضبوط محافظ ملنے پر دین کامل ہوا۔

دسواں قرینہ:

شعراء کا بالخصوص حسان بن ثابت کا رسول اللہ ﷺ کے : فمن کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ کہنے کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر ان کی موجودگی میں اپنے مشہور قصیدے میں حضرت علیؑ کو امام و ہادی کے الفاظ استعمال کرنا بتارہاہے کہ حدیث غدیر میں لفظ مولا دوستی کے معنی میں نہیں بلکہ رھبر و اولی بہ تصرف کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حسان بن ثابت کا مشہور قصیدہ کاایک شعر یہ ہے :

فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِیُ فَاِنَّنِی

رَضِيْتُكَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَاماً وَ هَا دِياً

ترجمہ: پس آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو اے علیؑ ! بے شک میں اس بات پر راضی ہوں کہ آپ میرے بعد میری امت کے امام اور رہبر قرار پائیں۔

گیارہواں قرینہ:

ایک اہم قرینہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ابن خطاب کا حضرت علیؑ کو بخٍ بخٍ لك یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولای و مولا کل مومن و مومنة۔

"مبارک ہو ! مبارک ہو! اے فرزند ابی طالب کہ آپؑ میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر ہو گئے" کے الفاظ کے ساتھ حضرات شیخین کا مبارک باد دینا بتاتا ہے کہ مولا کا معنی صرف دوست نہیں وگرنہ شیخین کو مبارباد دینے کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو ایک اونچا مقام یعنی امامت، نائب رسول و وصی رسول کا منصب ملا ہے تبھی تو سبھی مبارکبادیاں دینے میں مصروف تھے۔

معروف اہل سنت مفسر فخر الدّین رازی کا عجیب استدلال:

صاحب تفسیر انوار النجف علامہ حسین بخش جاڑا مرحوم لکھتے ہیں کہ مشہور اہل سنت مفسر فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں آیت مجیدہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت (آیت بلغ) یہود و نصاریٰ کے مکر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خوف ہونے کی تلقین کیلیئے آئی ہے یعنی حکم ہے کہ ان لوگوں سے ڈرے بغیر کلمہ حق کہہ دیا کرو۔

اس کے جاڑا صاحب لکھتے ہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی حدیث غدیر نقل کر ہی گیا۔

بیچارہ منہ مروڑنے کی کوشش کرتا رہا لیکن دست غیب سے چپت رسید ہوئی تو منہ سے نکل ہی گیا اور وہ بھی ادھر اُدھر کے رطب و یابس کے اقوال اکھٹے کر کے آخر میں حدیث غدیر امام محمد باقرؑ کا قول کہہ کر ذکر کر دی۔

فخر رازی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سورہ مائدہ تمام قرآنی سورتوں کے بعد نازل ہوا ہے جیسا تمام مفسرین کا اتفاق ہے تو یہودی اقتدار تو اس سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اور مدینہ میں تو ان کا نام و نشان تک نہ تھا حتیٰ کہ خیبر و فدک کے یہودی بھی جزیہ تسلیم کر چکے تھے اور نصرانی (عیسائی) بھی مباہلہ کے بعد جزیہ پر راضی ہوگئے تھے۔ اسلام اب پورے عروج پر تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو ان سے غم کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ خداوند تعالیٰ کو جبرائیل امینؑ بھیج کر ضمانت دینی پڑ گئی۔

ہاں ہاں! حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ جن لوگوں کی تخریبی کاروائیوں کا ڈر تھا وہ درپےِ آزار تھے لیکن وہ یہود و نصاریٰ نہ تھے بلکہ وہ اپنوں میں سے تھے اور وہ وہی تھے جن کے متعلق حضرت رسول اللہ ﷺ کئی بار فرما چکے تھے کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور حدیث حوض کوثر میں بھی ان کو بار بار متنبہ کر چکے تھے جو کتب صحاح میں موجود ہے۔[1]

1 (تفسیر انوار النجف، ج 5، ص 143)

نظام ولایت و امامت کی اہمیت:

علامہ حسین بخش جاڑا لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے اور اسلامی جمیع احکام کے مقابلہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ اسی پر تمام نظامِ اسلام کا دار و مدار تھا اور اسی بناء پر اپنے رسولؐ کو خالق نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے یہ ایک کام نہ کیا تو گویا رسالت کا کوئی بھی کام نہ کیا پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے اہتمام کے ساتھ اس کو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اسے کم و بیش کے مجمع میں اعلان کے طور پر لوگوں تل پہنچایا اور ان سے زبانی عھد بھی لیا اور عملی طور پر بیعت بھی کرائی۔

پس اس کے نقل و روایت کا اہتمام بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی غیبی نصرت حق سے اس قدر امت میں ظھور پذیر ہوا کہ اسلام کے کسی بڑے سے بڑے رکن کے متعلق اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ ولایت سے بڑا رکن اسلام میں کوئی ہے ہی نہیں اور نقل و روایت کا غیر معمولی اہتمام صاف بتلاتا ہے کہ اسلامی احکام و فرائض میں جو مقام اس کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔[1]

ولایتِ علیؑ کے منکر پر عذاب:

اعلانِ غدیر کے بعد پورے عرب میں یہ خبر پھیلی۔ یہی خبر حارث بن نعمان فہری نے بھی سنی۔ اس سے اس کا شدید دکھ ہوا۔ وہ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر رسول

---

1 (تفسیر انوار النجف، ج 5، ص 142)

خدا ﷺ کے پاس آیا۔ جب وہ مقام ابطح پر پہنچا تو وہ اپنی سواری سے نیچے اترا اور اس سے اچھی طرح سے بٹھا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا اور اس نے آپؐ سے یہ کہا: محمدؐ! آپؐ نے خدا کا نمائندہ بن کر ہم سے کہا کہ ہم لاالہ الا اللہ محمد رسولُ اللہ کی گواہی دیں، ہم نے آپؐ کی بات مانی۔ آپ نے ہمیں پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا، ہم نے نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے ہمیں رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے روزے رکھے۔ آپؐ نے ہمیں حج کا حکم دیا تو ہم نے اسے بھی بول کیا، لیکن آپؐ ان تمام باتوں پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر آپؐ نے اپنے چچازاد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہم پر فضیلت دی ہے اور آپؐ نے یہ کہا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ تو کیا یہ سب کچھ آپؐ نے اپنی طرف سے کہا ہے یا خدا کی طرف سے؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ سب کچھ میں نے خدا کی طرف سے کہا ہے۔

اس وقت حارث بن نعمان نے پشت پھیری اور اپنی ناقہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور اس نے یہ کہا: خدایا! جو کچھ محمدؐ کہہ رہا ہے اگر حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرما، یا ہم پر دردناک عذاب نازل فرما۔

ابھی وہ اپنی ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خدا کی طرف سے ایک پتھر آیا اس کی کھوپڑی پر لگا اور اس کے پیچھے سے نکل گیا جس سے اس کی ہلاکت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: سَئَلَ سائِلٌ مِنْ عَذابٍ وَّاقِعٍ للكافرين ليس له دافع من الله ذی المعارج[1] "ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا، جو واقع ہونے ہی ولا ہے۔ کفار کیلئے اس سے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے"۔[2]

آیت بلغ کے اہم نکات:

ادیب اعظم مولانا ظفر حسن امروہویؒ رقمطراز ہیں کہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حج آخر سے واپسی کے وقت جب حضور ﷺ مقام غدیر خم پر پہنچے تو نازل ہوئی۔ یہ آیت چند باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے:

(1) خلافتِ علیؑ کا تعین و تقرر کے متعلق اس سے پہلے کوئی حکم آچکا تھا مگر حضور ﷺ نے دشمنوں کی مخالفت کے خوف سے اس کو اپنی امت سے بیان نہیں کیا تھا۔

(2) غدیر خم ایک ایسی منزل تھی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے تمام ساتھی یہاں تک ساتھ ساتھ آرہے تھے اس کے بعد وہ مختلف راستوں میں تقسیم ہو جاتے، لہٰذا یہ تبلیغ کرنا ضروری تھا۔

---

1 (معارج آیت 1 تا 3)

2 (امام علیؑ ولادت سے شہادت تک، ص 303)

(3) اس امر کی تبلیغ ایسی ضروری تھی کہ اس کو پورا نہ کیا تو کار رسالت اس حد تک ناکام رہتا گویا سب کچھ کیا دھرا ہی رہ جاتا۔

(4) صرف تبلیغ یعنی حکم سنانا ہی کافی نہ تھا بلکہ عملاً اپنے خلیفہ وجانشین کا تقرر کر کے امت کو دکھا دینا ضروری تھا تاکہ بعد میں کوئی نہ کہہ سکے کہ ان کو دیکھا ہی نہ تھا صرف سنا تھا لہٰذا ہم نے علی سے مراد علی اعلی (خدا کی ذات) مراد لیا۔

(5) لوگوں سے مخالفت کا امکان اتنا زیادہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے کھلم کھلا اس حکم کی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔

(6) غدیر خم پر آپؐ ایسے وقت پر پہنچے کہ حدت آفتاب مابین آسمان و زمیں آگ برسا رہی تھی، کہیں درخت کا سایہ نام کو نہ تھا کیوں کہ غدیر خم کوئی منزل نہ تھی ایسی کڑی دھوپ میں جلتی جلاتی ریت پر لوگوں کو بٹھا کر اس حکم کی تبلیغ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس خلافت کا رسالت سے کوئی گہرا تعلق ہے ورنہ لوگوں کو اتنی زحمت کیوں دی جاتی۔

(7) اعلان کی صورت یہ تھی کہ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو پالان شتر کا ایک منبر بنایا گیا اس پر چادر ڈال دی گئی اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تشریف فرما ہوئے اور مولا علیؑ کو بلا کر من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ ارشاد فرمایا اس سے واضح اور کونسا اعلان ہو گا۔

(8) جب فھٰذا علیؑ مولا فرمایا تو علیؑ کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کی سفیدی زیر بغل نمایاں ہو گئی یعنی نام لے کر سنایا، اور بازو پکڑ کر دکھایا اور اشارہ کر کے سمجھایا اور اس سے موثر معرفت اور کیا ہو گی۔

واقعہ غدیر اور شعراء:

واقعہ غدیر کو خود حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے بھی اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ آپؑ کے اس شہرہ آفاق نظم کو ملاحظہ فرمائیں:

محمد النبی اخی و صھری　　حمزہ سیّدُ الشھداء عمّی

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بھائی اور میرے سسر ہیں اور سید الشھداء حمزہ میرے چچا ہیں۔

و جعفر الذی یضحی و یُسی　　یطیر مع الملائکۃ ابنُ عمی

اور جعفر طیارؑ جو کہ صبح و شام ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں وہ میرے ماں جایا بھائی ہیں۔

و بنتُ محمدٍ سکَنی و عِرسی　　منوطٌ لحمھا بدنی و لحمی

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر میری زاجہ ہیں۔ ان کا گوشت میرے خون اور گوشت سے مخلوط ہے۔

و سبطا احمد ولُداىَ منها   فائُکم له سهمٌ کسهی

احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسے میرے فرزند ہیں۔ تم میں کوئی ایسا ہے جس کو مجھ جیسا حصہ ملا ہو؟

سبقتُکم الی الاسلام طُرّا   و ما بلغتُ اوانَ حُلمی

میں نے اسلام میں تم سے سبقت حاصل کی ہے جب کہ میں بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا۔

فاوجب لی ولایہ علیکم   رسول اللہ یوم غدیر خُمّ

یاد رکھو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے دن تم پر میری ولایت واجب قرار دی ہے۔

امام علی ابن احمد واحدی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت جمع تھی اور وہ اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے۔ اس جماعت میں ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، فضل بن عباس، عمار، عبد الرحمٰن بن عوف، ابوذر، مقداد، سلمان اور عبد اللی بن مسعود رضی اللہ عنھم موجود تھے۔ اتنے میں حضرت علیؑ بھی وہاں آئے۔ آپؑ نے صحابہ سے پوچھا کہ آپ حضرات کیا گفتگو کر رہے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے مناقب کا ذکر کر رہے تھے، جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لیے بیان کیے تھے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اچھا تو پھر میرے کچھ فضائل بھی سن لو۔ پھر آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

لقد عَلِمَ الاناسُ بِاَنَّ سهمی — من الاسلام یَفضُلُ کُلَّ سَهمٍ

سب انسان جانتے ہیں کہ اسلام میں میرا حصہ ہر حصے سے زیادہ ہے۔

وَ احمد النبی اخی و صهری — علیه اللهُ صلّیٰ و ابن عمی

احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر میرے بھائی اور میرے سسر ہیں۔ان کی خدا کی طرف سے درود ہو وہ میرے چچازاد ہیں۔

و انِّی قائدٌ للناس طرا — الی الاسلام من عرب و عجم

عرب و عجم میں سے جس نے بھی اسلام قبول کیا ہے میں ایسے تمام انسانوں کا رہبر ہوں۔

و قائلُ کلِّ صِندیدٍ رئیس — و جبارٌ مِنَ الکُفارِ ضخُمٌ

میں ہر دلیر رئیس کا قاتل ہوں اور بڑے بڑے کافروں پر غلبہ رکھتا ہوں۔

و فی القرآن الزمهم ولائی — و اوجب طاعتی فرضاً بعزمٍ

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں میری ولایت کو واجب قرار دیا ہے اور اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

کما هارونَ من موسیٰ اخوه — کذالك انا اخوه و ذاك اسمی

میری رسول خداؐ سے وہی نسبت ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، میں بھی رسول خداؐ کا بھائی ہوں اور یہ میرا نام ہے۔

لذاك اقامنى لهم اماما و اخبرهم به بغدير خم

اس لیے رسول خداؐ نے مجھے امما مقرر کیا ہے اور غدیر خم میں لوگوں کو اس کی خبر دی ہے۔

فمن منكم يعادلُنى بسهمى و اسلامى و سابقتى و رحمى

تم میں سے کون ہے جو کہ میرے حصہ اور میرے اسلام، نیری سبقت اور میری رشتہ داری کی برابری کر سکے؟

فويلٌ ثمّ ويل ثم ويل لمن يلقى الاالله غداً بظلمى

ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میرا ظالم بن کر خدا کے سامنے پیش ہو۔

و ويل ثم ويل ثم ويل لجاحد طاعتى و مريد بهضمى

ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے اُس کے لیے جو میری اطاعت کا منکر ہو اور میرے حق کا غاصب ہو۔

و ويلٌ للذى يشقى سفاها يريد عداوتى من غير جُرمِئى

اور اس کے لیے ہلاکت ہے جو کہ اپنے پاگل پن کی وجہ مجھ سے ناحق عداوت کا ارادہ رکھتا ہے۔[1]

1 (امام علیؑ ولادت سے شہادت تک' ص313)

مدحِ علیؑ میں حسان بن ثابت کا مشہور قصیدہ:

علامہ حسین بخش جاڑ لکھتے ہیں کہ جب تمام لوگ حضرت علیؑ کو مبارک باد دینے لگ گئے اور سب سے پہلے شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ابن خطاب کہہ رہے تھے: بخٍ بخٍ لك یاابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولای و مولا کل مومن و مومنة۔

"مبارک ہو! مبارک ہو! اے فرزند ابی طالب کہ آپؑ میرے اور تمام صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے مولا اور رہبر ہو گئے"

اور ابن عباس نے وہی کہہ دیا کہ خدا کی قسم اب یہ چیز لوگوں کی گردنوں میں پڑ گئی ہے تو حسّان بن ثابت نے عرض کی: حضورؐ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ علیؑ کی مدح میں کچھ اشعار آپؐ کے سامنے کہوں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی برکت سے کہو۔

چنانچہ حسان بن ثابت اٹھا اور کہنے لگا: اے بزرگان قریش سن لو! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میرا قول ولایت کے معاملے میں ناقابل تردید ہو گا اور اس کے بعد اس نے اپنا مشہور زمانہ قصیدہ مدح امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ میں یوں پیش کیا:

ینادیهم یوم الغدیر نبیُّهم بخم واسمع باالرسول منادیا

غدیر کے دن ان سب کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باآواز بلند فرمارہے تھے، مقام غدیر خم میں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سب لوگ سن رہے تھے۔

يقول فمن مولاه كم و وليّكم　　فقالوا ولم يبدوا هناك مناديا

آپؐ فرمارہے تھے کہ (اے لوگو!) تمھارا مولا اور ولی کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا اور اس میں کوئی کدورت ظاہر نہیں کی تھی۔

الٰهُك مولانا و انت وليُّنا　　ولم ترَ فينا فى الولاية عاصيا

کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور آپؐ ہمارے ولی ہیں اور ہم میں سے ولایت کے معاملہ میں آپؐ کا کوئی نافرمان نہ ہوگا۔

فقال له قُم يا علىؑ فانّنى　　رضيتُك من بعدى اماماً و هادياً

تو حضور رسالت مآب ﷺ نے (حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوکر) فرمایا: اٹھو اے علیؑ! میں اس بات پر راضی ہوں کہ تمھیں اپنے بعد والوں پر امام و ہادی منتخب کرتا ہوں۔

فمن كنتُ مولاه فهٰذا وليُّه　　فكوُنوُا لهُ انصارَ صِدقٍ و مواليا

پس جس جس کا میں مولا ہوں تو اس اس کو علیؑ ولی ہے پس تم لوگ اس کے سچے مددگار اور دوست بن جاؤ۔

هناك دعا اللهمّ وال وليّه　　و كن للذى[1] عادىٰ عليّا معاديا

وہاں یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ! علیؑ کے دوست کو دوست رکھ اور جو علیؑ کے ساتھ دشمنی رکھے اس سے تو دشمنی رکھ۔[2]

---

2 (تفسیر انوار النجف، ج5، ص142)

قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کا نذرانہ عقیدت:

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری قبیلہِ خزرج کے سردار تھے۔ انھوں نے جنگِ صفین میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تھے جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں:

قُلۡتُ لَمَّا بَغیٰ العدوُ علینا حسبُنا ربُّنا و نعم الوکیل

جب دشمن نے ہمیارے خلاف بغاوت کی تو میں نے کہا: ہمارے لیے ہمارا رب کافی ہے اور وہ بہترین نگہبان ہے۔

حسبنُا ربُّنا الذی فتح البصرۃ بالامسِ و الحدیث طویلٌ

ہمارے لیے ہمارا رب کافی ہے جس نے ہمیں بصرہ (جنگ جمل) کی فتح دی تھی اور واقعات بڑے طویل ہیں۔

و علیٌ امامنا و امامُ لسوانا اتی به التنزیل

علیؑ ہمارے امام ہیں اور دوسروں کے بھی امام ہیں ان کی امامت کا فیصلہ قرآن نے کیا ہے۔

یوم قال النبیُ من کنت مولاہ فھٰذا مولاہ خطبٌ جلیلٌ

جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من کنت مولاہ فھذا علیٌ مولاہ کہا تھا۔

انّ ما قالہ النبیُّ علی الامۃِ ختمٌ ما فیہ قال وقیلُ

یہ بڑا واقعہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ امت کیلئے حتمی بات ہے اس میں کسی طرح کے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے۔

عمر بن عاص اور غدیر جی گواہی:

عمر و بن عاص ، معاویہ ابن ابی سفیان کا دست راست تھا اور حضرت امیر المومنینؑ کا شدید ترین دشمن تھا۔ لیکن خدا نے حق میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ بعض اوقات دشمن کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

محاورہ مشہور ہے: و الفضلُ ما شهدت بهالاعداءُ یعنی اصل فضیلت وہی ہے جس کی دشمن گواہی دیں۔

چنانچہ خدا نے عمر و بن عاص سے بھی کلمہ حق کو کہلوایا اور اس نے معاویہ بن ابو سفیان کو خطاب کر کے یہ اشعار کہے تھے:

معاویة الحالِ لا تجهلُ	و عن سبیلِ الحقِّ لا تغذل

عمر بن عاص نے معاویہ سے کہا کہ تم جھالت کا ثبوت نہ دو اور حق کے راستے سے انحراف نہ کرو۔

نسیتَ احتیالی فی جُلَّقٍ	علیٰ اهلِها یومَ لَبْسِ الحُلی

تمھیں وہ حیلہ بھول چکا ہے جو میں نے اُس دن اپنایا تھا جب لوگ کپڑے پہنے ہوئے تھے[1]

نصرناك من جهلها یابن هندٍ	علی النباء الاعظم الافضل

1 (یہ اس دن کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو عمر بن عاص کمال بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شلوار کھول دی تھی اور پشت کی طرف سے ننگا ہوا تھا جس کی وجہ سے ازراہ شرم وحیاء مولا امیر المومنینؑ نے اس سے چھوڑ دیا تھا اور وہ بھاگ گیا تھا)

اے فرزند ھند! ہم نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا اور افضل ترین شخص کے خلاف تیری مدد کی۔

و حیث رفعناك فوق الرؤوسِ نزلنا الی اسفل السافلین

ہم نے تمھیں اپنے سروں پر اٹھایا کہ ہم خود اسفل السافلین میں چلے گئے۔

و کم قد سمعنا من المصطفیٰ وصایا مخصصةٌ فی عَلِیٍ

ہم نے رسول خداﷺ سے حضرت علیؑ کے متعلق بہت سی وصیتیں سنی تھیں۔

و فی یومَ خُمٍّ رَقیٰ منبرا یبلغ والرکبُ لم یرحل

رسول خداﷺ نے قافلہ کو بٹھا کر غدیر میں منبر پر خطبہ دیا تھا جبکہ لوگ کہیں گئے نہیں تھے۔

وفی یوم کفِّه کفُّه معلناً ینادی بامرالعزیز الجلی

نبی اکرمؐ کے ہاتھ میں علیؑ کا ہاتھ تھا اور نبی اکرمؐ علیؑ کے امیر المومنین جیسے بلند و بالا منصب پر فائز ہونے کا اعلان فرما رہے تھے۔

الستُ بکم منکم فی النفوس باولی؟ فقالوا: بلیٰ فافعلُ

اور انھوں نے یہ کہا تھا کہ کیا میں تمھاری جان و مال کا متصرف نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا تھا: کیوں نہیں یا رسول اللہﷺ

فانحله اِمْرَةُ المومنین من الله مستخلفِ المنحَلِ

تو رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو اپنا اور اللہ کا اس کے بندوں پر امیر اور سالار بنایا۔

وقال فمن کنتُ مولاہ لہ　　فھٰذا لہ الیوم نعم الولی

اور نبی اکرمؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔ اور ان دن کتنا بہتر ولی امت کو ملا۔

فوالِ موالیہ یاذاالجلالِ　　و عادِمعادیِ اَخُ الُمرسَلِ

(اس کے بعد رسولؐ نے دعا فرمائی) اے اللہ جو علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس کا دشمن بن جا چونکہ وہ تیرے رسول کا بھائی ہے۔

ولا تنقضوا العھدَ من عترتی　　فقاطعھم بی لم یوصل الی آخرہ

نبی اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری عترت سے تعلق نہ چھوڑنا، جس نے ان سے قطع تعلّقی کی وہ یہ سمجھے کہ اس نے مجھ سے صلہ رحمی نہیں کی۔

کمیت بن زید اسدی اور واقعہ غدیر:

کُمیت بن زد اسدی دوسری صدی ہجری کے مشہور شاعر تھے۔ انھوں نے پوری زندگی آلِ محمدؐ کی ثناء میں قصائد لکھے اور اغیار کی مذمت کی۔ اسی جرم مودت میں انہیں شہید کیا گیا تھا۔ واقعہ غدیر کے حوالے سے انھوں نے بہت سی نظمیں لکھی تھیں۔ یہاں ہم ان کے " قصیدہ عینیہ" کے چند اشعار نقل کرتے ہیں:

و یوم الدوح دوح غدیر خُمٍّ ابان له الولایةَ لو أُطیِعا

غدیر خم کے پالانوں کے دن کو یاد کرو جس دن رسول خداؐ نے علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تھا۔ کاش لوگ اس کی اطاعت کرتے ! !

و لکنَّ الرِّجالَ تبایعوها فلم ارمثلها فظرا مبیعا

لوگوں نے تکلفاً بیعت کی تھی، میں نے اتنے بڑے واقعہ کو یوں فراموش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تنا سوا حقه و بغو علیه بَلا مرةٍ و کان لهم قریعا

لوگوں نے حضرت علیؑ کا حق بھلادیا اور اُن کے خلاف بغاوت کی جب کہ علیؑ نے کسی کا نقصان نہیں کیا تھا وہ تو ان کا رہنما تھا۔

سید حمیری اور واقعہ غدیر:

سید اسماعیل بن محمد حمیری دوسرے مسلک کو چھوڑ کر مذہب اہل بیتؑ میں شامل ہوئے تھے۔ جب انہوں نے عقیدہ تشیع اپنایا تو انھوں نے اپنی مشہور زمانہ تجفرتُ بسم اللہ و اللہ اکبر کی نظم لکھی تھی پھر انہوں نے اپنی تمام زندگی مدّاحی اہل بیتؑ کیلئے وقف کردی تھی۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سید اسماعیل کو بھول جائیں؟ انھوں نے اس عنوان پر بہت سی شاہکار نظمیں لکھی ہیں۔ بطور تبرک ان کے حسب ذیل اشعار کو ملاحظہ فرمائیں:

یا بایع الدِین بِدُنیاه لیس بهٰذا امرك اللهُ

اے دنیا کو دین کے عوض بیچنے والے! خدا نے تجھے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا۔

من این ابغضتَ علیؑ الوصی و احمدُ قد کان یرضاہ

تو نے آخر وصی رسول علیؑ سے بغض کیوں رکھا جب کہ احمد مجتبیٰؐ تو انھیں پسند فرماتے تھے۔

مَن الذی احمد فی بینهم یوم غدیر الخم ناداہ

آخر وہ کون تھا جس کا اعلان رسول اکرمؐ نے غدیر خم میں کیا۔

اقامہ مِن بین اصحابه و هم حوالیه فسماہ

علیؑ کو اٹھایا تھا جبکہ تمام صحابہ موجود تھے۔

هٰذا علیؑ ابنُ ابی طالب مولیٰ لمن قد کنتُ مولاہ

جب نبی اکرمؐ نے یہ کہا تھا: من کنت مولاہ فهٰذا علیؑ مولاہ یہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

فوالِ مَن والاہ یا ذا لعلا و عادِ مَن قد کان عاداہ

آپؐ نے دعا بھی فرمائی تھی کہ اے بلند و برتر معبود! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی کرے اس سے اپنا دشمن بنا۔ [1]

---

1 (امام علیؑ ولادت سے شہادت تک، ص316 تا 320)

امام علیؑ قرآن کی نظر میں:

آخر میں ہم "امام علیؑ قرآن کی نظر میں" کے نام سے ایک اہم مقالہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو کہ حجۃالسلام والمسلمین علامہ سعید عطاریان صاحب کا لکھا ہوا ہے اور اس کا ترجمہ جناب اسد رضا چانڈیو صاحب نے کیا ہے اور یہ موسسہ امام علیؑ کی پیشکش ہے تاکہ مومنین اور مسلمین استفادہ کر سکیں اس مقالے کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اکثر حوالہ جات برادران اہل سنت کی اہم تفاسیر اور مستند کتابوں جیسے تفسیر کبیر، تفسیر در منثور، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی وغیرہ کے ہیں اس کتاب کے مطالعے سے قارئین کے سامنے یہ بات کھل کر آئے گی کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کس عظیم ہستی کا نام ہے کہ جس کے بارے میں رسول اسلام نے فرمایا تھا: علیؑ مع القرآنِ و القرآنُ مع العلی یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔[1]

مختصر تاریخ دمشق میں ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں:

"ما نزل القرآن "یا ایھا الذین آمنوا" الا علی سیدھا و شریفھا و امیرھا و ما احد من اصحاب رسول اللہ الا قد عاتبہ اللہ فی القرآن ما خلا علی بن ابی طالب فانہ لم یعاتبہ بشیء گ ما نزل فی احد من کتاب اللہ ما نزل فی علی گ نزلت فی علی ثلاثماۃ آیۃ." جہاں بھی قرآن میں "یا ایھا الذین آمنوا" اے ایمان والو" آیا

1 مختصر تاریخ دمشق، ج18، ص11

ہے حضرت علی (علیہ السّلام) ان مومنوں کا سید اور سالار ہے اور مومن کا مصداق کامل، حضرت علی (علیہ السّلام) ہے۔ قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر صحابی پر عتاب کا ذکر ہوا ہے سوائے حضرت علی (علیہ السّلام) کے ان پر کوئی کسی عتاب کا ذکر نہیں ہوا۔ حضرت علی (علیہ السّلام) کے فضائل کی قرآن میں اتنی آیتیں ہیں جتنی کسی کے فضائل کی نہیں۔ قرآن کی تین سو ۳۰۰ آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ہم نے اس مقالہ میں حضرت علی (علیہ السّلام) کو قرآن کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت علی (علیہ السّلام) قرآن کی تعریف میں فرماتے ہیں: ان الله تعالی انزل کتاباهادیا، بین فیه الخیر والشر فخذوا نهج الخیر تهتدوا و اصدفوا عن سمت الشر تقصدوا؛[1] اللہ تعالی نے ہدایت کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے، اس مبارک کتاب میں خیر اور شر کو بیان کیا گیا ہے تاکہ خیر کے راستے کو اپنا کے ہدایت یافتہ بن جاؤ اور شر سے دور رہو تاکہ اچھی اور میانہ زندگی بسر کرو۔" واعلموا ان هذا القرآن هو الناصح الذی لایغش والهادی الذی لایضل و المحدث الذی لایکذب...؛[2] جان لو قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو خیانت نہیں کرتا، ایسا ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا، ایسا سچا کلام ہے جس میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے۔

قرآن کریم میں حضرت علی (علیہ السّلام) کے فضائل پر مشتمل تین سو ۳۰۰ آیتیں ہیں اور حضرت علی (علیہ السّلام) نے قرآن کے بارے میں

---

1 نہج البلاغہ، صبحی صالح، خطبہ 167

2 وہی خطبہ خطبہ 176

بلند والا خطبے ارشاد فرمائے ہیں۔ ثقل اکبر، ثقل اصغر کی اور ثقل اصغر، ثقل اکبر کی معرفت کا وسیلہ ہے یعنی قرآن حضرت علی کی پہچان کرواتا ہے اور حضرت علیؑ قرآن کے فضائل بیان کرتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق قرآن اور حضرت علی (علیہ السّلام) ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔جب کوئی طہارت کے بغیر قرآن کے قریب نہیں جا سکتا "**لایمسہ الا المطھرون**"[1] تو کوئی کیسے طہارت کے بغیر اہلبیت (علیہم السّلام) کو سمجھ سکتا ہے۔اہل بیت (علیہم السّلام) کی معرفت کا قرآن کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ہم بھی اہلبیت (علیہم السّلام) میں سے پہلے فرد حضرت علی (علیہ السّلام) کی معرفت کیلئے قرآن سے مدد لیتے ہیں۔

قرآن میں کئی اسباب کے سبب علی کا نام ذکر نہیں ہوا[2] لیکن اہل سنت کے علماو بزرگان نے کئی مقامات پہ اعتراف کیا ہے کہ: قرآن میں حضرت علی (علیہ

1: واقعہ، آیہ 79

2: اس بارے میں شواہد التنزیل میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جو بتاتی ہے کہ امام علی علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کا نام قرآن میں کیوں نہیں آیا؟ ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں میں اس آیت کے بارے میں سوال کیا ؟ امام نے فرمایا اس سے مراد علی علیہ السلام ہیں میں نے سوال کیا لوگ پوچھتے ہیں امام علی علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کا نام قرآن میں کیوں نہیں آیا؟ امام نے فرمایا اللہ تعالی نے قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کا حکم دیا ہے لیکن رکعتیں نہیں بتائیں۔ مسلمانوں کو حج کا حکم دیا طواف کعبہ کی تعداد نہیں بتائی کہ وہ سات بار ہے اس لئے تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی تفسیر کریں یہاں بھی اسی طرح ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اکرم نے فرمایا میں تم لوگوں کو قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کی وصیت کرتا ہوں؛ شواہد التنزیل، ج1، ص148

السّلام) کی شان میں کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔قرآن میں اہل بیت (علیہم السّلام) کی شان بیان ہوئی ہے۔اہلبیت (علیہم السّلام) کی شان جیسی کسی ان کے علاوہ کسی کی شان بیان نہیں ہوئی۔

اس نقطہ سے بھی غافل نہ رہیں کہ ممکن ہے ایک آیت عام ہو بہت سارے مصداق رکھتی ہو لیکن اس آیت کا مصداق کامل حضرت علی (علیہ السّلام) اور اہلبیت (علیہم السّلام) ہوں۔

پہلے بیان ہوا کہ ابن عباس کے قول کے مطابق قرآن میں حضرت علی (علیہ السّلام) کے فضائل کی تین سو ۳۰۰ آیتیں ہیں۔ ہم یہاں اس مقالے میں چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان آیتوں کا شان نزول بھی اہلسنت کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں تاکہ برادران اہلسنت ان کتابون کی طرف مراجعہ کر کے مطمئن اور مسرور ہوں۔

1۔آیہ تبلیغ

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس ان الله لایهدی القوم الکافرین[1] اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ

1 مائدہ، آیہ 67

نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

تمام شیعہ مفسروں کے ساتھ اکثر اہل سنت [1] مفسروں کا ماننا ہے کہ یہ آیت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

شان نزول

یہ آیت غدیر خم سے متعلق ہے۔ علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں حدیث غدیر کو معتبر اور مختلف سندوں کے ساتھ ۱۱۰ اصحاب سے نقل کیا ہے: ان روایتوں میں اس آیت کا شان نزول کچھ اس طرح سے ہے، ہم یہاں مختصر بیان کرتے ہیں۔

رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی حیات طیبہ کے آخری سال حجۃ الوداع کے اعمال رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے حضور کی برکت سے شان و شوکت سے انجام پائے۔ واپسی کے سفر میں یہ قافلہ بیابانوں سے گذرتا ظہر کے وقت غدیر خم پہ پہنچا۔ اس وقت عید قربان کو آٹھ دن گذرے تھے۔ اچانک رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی طرف سے رکنے کا حکم آیا جو آگے نکل گئے تھے انہیں واپس بلایا گیا جو پیچھے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔ جب

---

1 اہلسنت کے معتبر منابع میں سے ۲۰ سے زائد کتابوں میں اس آیت کا امام علی علیہ السلام کے شان میں نازل ہونا ذکر ہے جن کا عنوان خلیفہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے حاکم نے شواہد التنزیل میں، سیوطی نے الدر منثور میں، فخر رازی نے تفسیر کبیر میں رشید رضا نے المنار میں اور اس بارے میں رجوع کریں الغدیر، ج 1، ص 223—214 ولا کونمع الصادقین، تیجانی، ص 51 و 52

سب جمع ہوئے سول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) کی اقتدا میں نماز جماعت انجام پائی، گرمی میں جلتے صحرا میں رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) کیلئے سائبان بنایا گیا۔رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) نے تمام لوگوں کو حکم خداوندی سننے کیلئے آمادہ ہونے کا حکم دیا۔لوگ زیادہ تھے ہر ایک کو رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) کا چھرہ مبارک دکھائی نہیں دے رہا تھا' اس لئے اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ رسول اکرم اس منبر پہ جلوہ افروز ہوئے اور پر معنی خطبہ ارشاد فرمایا: رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد کچھ اس طرح سے خطاب کیا: میں عنقریب داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے تمہارے درمیان سے جانے والا ہوں۔ تم لوگوں سے بھی سوال ہو گا اور مجھ سے بھی پوچھا جائے گا۔تم لوگ میرے بارے میں کیا گواہی دو گے؟ تمام افراد نے ملکر ایک جواب دیا : "نشھد انک قد بلغت و نصحت و حمدت فجزاک اللہ؛ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وظیفہ رسالت کو بخوبی نبھایا اور اپنی تمام کاوشوں کو انسانی ہدایت کیلئے بروئے کار لائے۔اللہ تعالی آپ کو اس کی نیک جزا عنایت فرمائے۔

اس کے بعد رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ و سلّم) نے تمام مسلمانوں سے اللہ تعالی کی وحدانیت 'اپنی رسالت 'مرنے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا اقرار لیا اور اس اقرار پر اللہ تعالی کو گواہ بنایا اور فرمایا:

میں تم لوگوں میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جو میری یادگار ہیں' دیکھو تم لوگ ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟ایک عظیم چیز' اللہ تعالی کی پاک کتاب ہے اور دوسری عظیم چیز میری اہلبیت (علیہم السّلام) ہے۔ مجھے رب

جلیل نے بتایا ہے کہ یہ دونوں کبھی بھی جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ جنت میں مجھ سے مل جائیں۔ ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ان سے پیچھے بھی نہ رہ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

لوگوں نے دیکھا کہ رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی نظریں لوگوں کا طواف کرنے لگیں جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ جب رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی نظریں حضرت علی (علیہ السّلام) پہ پڑیں ان کو بلایا اور ان کا ہاتھ تھام کر اتنا بلند کیا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ تمام افراد کو حضرت علی (علیہ السّلام) نظر آنے لگے۔ اس وقت رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے فرمایا: "ایھا الناس من اولی الناس بالمؤمنین من انفسھم؛ اے لوگو! مومنوں کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق کس کا ہے؟ سب نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) بہتر جانتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور مومنین کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں "**فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ**" جس کا میں مولا ہوں اس کا حضرت علی (علیہ السّلام) مولا ہے۔

پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: "**اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض من ابغضہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار؛** پروردگارا! حضرت علی (علیہ السّلام) کے دوست کو اپنا دوست قرار دے اور حضرت علی کے دشمن کو اپنا دشمن قرار دے، جو حضرت علی (علیہ السّلام) سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر، جو حضرت علی

(علیہ السّلام) سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر، جو حضرت علی (علیہ السّلام) کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر، جو حضرت علی سے منہ موڑے تو اس سے منہ موڑلے، جہاں حضرت علی (علیہ السّلام) ہو وہاں حق کو قرار دے۔

آخر میں رسول اکرم نے تاکید کی کہ جو یہاں موجود نہیں ان تک اس بات کو پہنچائیں۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے ابو بکر اور عمر کے ساتھ حضرت علی (علیہ السّلام) کو یہ کہہ کہ مبارک باد پیش کی: علی ابن ابو طالب (علیہ السّلام) تم کو مبارک ہو! آپ آج تمام مومن مرد اور عورتوں کے مولا بن گیئے۔[1]

۲۔ آیہ ولایت

"انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلاۃ و یؤتون الزکاۃ و ھم راکعون[2] ایمان والو بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبانِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوِ دیتے ہیں

الغدیر میں علامہ امینی نے ان بزرگان اہلسنت کے نام لکھے ہیں جو اس آیت کے شان نزول میں حضرت علی (علیہ السّلام) کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے

---

1 پیامقرآن سے خلاصہ، ج9، ص187–184

2 مائدہ، آیہ55

ہیں[1] تمام اہل تشیع نے اس آیت کے شان نزول میں حضرت علی (علیہ السّلام) کا نام لکھا ہے۔

شان نزول

سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور میں اس آیت کے ذیل میں ابن عباس سے نقل کیا ہے حضرت علی (علیہ السّلام) نماز کی حالت رکوع میں تھے جب کسی سائل نے اللہ کی راہ میں مدد کا سوال کیا، حضرت علی نے اپنی انگوٹھی سائل کو صدقے میں دے دی۔ رسول اکرم ﷺ نے سائل سے پوچھا تمہیں یہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ سائل نے حضرت علی کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس مرد نے جو کہ حالت رکوع میں ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "انما ولیکم اللہ و رسولہ۔۔۔"[2]

۳۔ آیہ اولی الامر

"یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم؛ ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی

1 الغدیر، علامہ امینی، ج2، ص53 و52؛ معالصادقین، تیجانی، ص47–46

2 الدر المنثور، ج2، ص293

طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی تمہارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے

شان نزول

حاکم حسکانی حنفی نیشابوری اہلسنت کے معروف مفسر ہیں وہ اپنی کتاب میں اس آیت کے ذیل میں پانچ روایتیں نقل کرتے ہیں' ان پانچوں روایتوں کا عنوان اولی الامر ہے اور سب کی سب حضرت علی (علیہ السّلام) پر صادق آتی ہیں۔

آخری روایت میں وہ خود حضرت علی (علیہ السّلام) سے نقل کرتے ہیں حضرت علی (علیہ السّلام) نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے شریک وہ ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے ساتھ اور میرے ساتھ اس آیت میں بیان کیا ہے" **یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**" میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا"**یا نبی الله من هم**؛ اے رسول اللہ ﷺ اولی الامر کون ہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا "**قال: انت اولهم**؛ تم اولی الامر کے پہلے فرد ہو [1]

1 شواہد التنزیل' ج 1' ص 148. اس بات کو ذکر کرنا ضروری ہے کہ تمام تفسیرون میں سے شواہد التنزیل ایسی تفسیر ہے جو کامل ترہے اور اس میں شان نزول تفصیلا بیان ہوا ہے اس لئے ہم اکثر اس تفسیر کا حوالا دیں گے

اہل سنت کی بعض روایتوں میں بارہ اماموں (علیہم السّلام) میں سے ہر ایک کا نام ذکر ہوا ہے [1]

۴۔ آیہ صادقین

"یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین [2] ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

شان نزول

درالمنثور میں معروف مفسر سیوطی اس آیت "اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" کے ذیل میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا ہے "مع علی بن ابی طالب" حضرت علی (علیہ السّلام) کے ساتھ ہو جاؤ۔ [3]

اس آیت کے شان نزول میں دونوں مکتبوں یعنی اہلسنت اور اہل تشیع سے اور بھی روایتیں موجود ہیں [4] غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالی مومنین کو حکم دے رہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ حکم مطلق ہے اس میں کوئی قید یا شرط نہیں، کسی حالت سے مخصوص نہیں، اس طرح کا حکم امام معصوم

---

1 تفسیر برہان، ج 1، ص 381 تا 387

2 توبہ، آیہ 119

3 (المیزان، ج 9، ص 408 درالمنثور سے نقل کیا ہے)

4 (اس سے زیادہ معلومات کیلئے رجوع کریں احقاق الحق، ج 14، ص 274 و 275؛ والغدیر، ج 2، ص 277)

کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ غیر معصوم سے غلطی ممکن ہے اور جب غلطی کرے گا اس حالت میں اس سے جدا ہونا پڑے گا۔ جس کی ہر حالت میں پیروی جاسکتی ہے وہ امام معصوم ہے۔ اس مطلب کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ صادقین سے مراد ہر سچا نہیں بلکہ امام معصوم ہے جس کی گفتار میں جان بوجھ کے یا بھولے سے غلطی کی گنجائش نہیں۔

اس آیت سے مراد حضرت علی (علیہ السّلام) اور اس کے معصوم بیٹے (علیہم السّلام) ہیں جو امت کے ہادی ہیں۔ اس مطلب کے اثبات کیلئے ڈاکٹر تیجانی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام بھی یہی رکھا ہے کہ **کونو مع الصادقین** یعنی صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس کتاب نے اکثر مسلمانوں پر عجیب اثر چھوڑا ہے۔

۵۔ آیہ قربی

"**قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودۃ فی القربی**[1] آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو

شان نزول

حاکم حسکانی جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور دانشمند ہیں، اپنی کتاب شواہد التنزیل میں سعید ابن جبیر اور ابن عباس سے اس طرح نقل کرتے

---

1 شوری' آیہ 23

ہیں''لما نزلت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی قالوا یا رسول اللہ من ھولاء الذین امرنا اللہ بمودتھم! قال: علی و فاطمۃ و ولدھما؛ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا وہ کون ہیں جن کے ساتھ ہمیں محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے ؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ حضرت علی (علیہ السّلام) ،حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) ،حضرت حسن (علیہ السّلام) ،حضرت حسین (علیہ السّلام) ہیں[1]

اہم نکتہ

قرآن مجید سورہ شعرا میں پانچ نبیوں (نوح، ہود، صالح، لوط و شعیب) سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''و ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین'' اور میں اس تبلیغ کی کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں میری اجرت تو رب العالمین کے ذمہ ہےاور دوسری طرف ہم سورہ فرقان کی ۵۷ آیت میں نبیوں کے بارے ہیں پڑھتے ہیں ''قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا؛ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کرےاور پھر سورہ سبا کی سنتالیسویں ۴۷ آیت میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں'' قل ما سئلتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ.'' کہہ دیجئے کہ میں

---

1 شوری، آیہ 33

جو اجر مانگ رہا ہوں وہ بھی تمہارے ہی لئے ہے میرا حقیقی اجر تو پروردگار کے ذمہ ہے اور وہ ہر شے کا گواہ ہے

اب سوال یہ ہے کہ : ان چار باتوں کا جمع کرنا کیسے ممکن ہے؟ کیا رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) میں اور دوسرے نبیوں میں تضاد ہے پایا جاتا ہے؟اس سوال کے جواب میں یوں کہنا چاہیے : ان آیتوں کے دقیق مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے بھی اپنی رسالت اور تبلیغ کے بدلے میں اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں مانگا بلکہ اپنی قربی کی مودت کا تقاضہ کیا ہے جو اللہ تعالی تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔یہ سو فیصد انسانوں کے نفعے کی بات ہے کیونکہ یہ مودت مسئلہ امامت اور خلافت اور رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی جانشینی کا پیش خیمہ ہے اور حقیقت میں امت میں رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے مشن کو آگے بڑھانا ہے جو انسانوں کی ہدایت ہے۔

٦ آیہ تطہیر

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا[1]

بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت علیھ السّلام کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے آیت تطہیر' اہل بیت (علیہم السّلام) کے فضائل میں چمکتا ستارہ ہے' اس میں بلند

1 احزاب' آیہ 33

مطالب اور فائدہ مند نکات ہیں جو ہر حق طلب محقق کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں۔

شان نزول

علامہ طباطبائی المیزان میں فرماتے ہیں ستر ۷۰ سے زیادہ روایتیں اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ آیت تطہیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٬ حضرت علی (علیہ السّلام) ٬ حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) ٬ حضرت حسن (علیہ السّلام) ٬ حضرت حسین (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ان کے علاوہ کوئی اس میں شامل نہیں۔ کچھ روایتیں اہلسنت کی ہیں اور کچھ اہل تشیع کی ہیں پر مزے کی بات یہ ہے اہل تشیع سے زیادہ روایتیں اہلسنت کی ہیں۔[1]

ڈاکٹر تیجانی اپنی کتاب **فاسئلوا اهل الذکر** میں اہلسنت کی حدیث کی معتبر کتابوں میں سے تیس ۳۰ سے زیادہ کتابیں ذکر کیں ہیں جو اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ آیت تطہیر اہلبیت (علیہم السّلام) یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٬ حضرت علی (علیہ السّلام) ٬ حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) ٬ حضرت حسن (علیہ السّلام) ٬ حضرت حسین (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور آخر میں

---

1 المیزان ٬ ج16 ٬ ص311

فرماتے ہیں اہلسنت کے زیادہ تر علما آیت تطہیر کو اہلبیت (علیہم السّلام) کی شان میں سمجھتے ہیں اور ہم بھی اس مقدار کو کافی سمجھتے ہیں۔[1]

آلوسی جو کہ اہلسنت کا متعصب ترین عالم ہے وہ بھی آیت تطہیر کو حضرت علی (علیہ السّلام) اور اہلبیت (علیہم السّلام) کی شان میں سمجھتے ہیں وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

اہلبیت (علیہم السّلام) سے مراد وہ ہستیاں ہیں جن کو رسول اکرم ﷺ نے چادر کے نیچے جمع کیا اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: "**اللهم هؤلاء اهل بيتي فاجعل صلواتك و بركاتك على آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد**"پروردگارا یہ میرے اہلبیت (علیہم السّلام) ہیں ان پر درود وسلام نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود وسلام نازل، فرمایا بے شک تیری ہستی بلند و بالا ہے۔[2]

وہ روایتیں جو آیت تطہیر کے متعلق حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کی چار قسمیں ہیں:

ا۔ وہ روایتیں جو رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی ازواج مطہرہ سے نقل ہیں وہ فرماتی ہیں ہم چادر تطہیر سے باہر ہیں[3]

---

1 فسئلوا اہل الذکر، ص71

2 روح المعانی، ج22، ص14 و15

3 مجمع البیان، ج7 و8 ص559 و شواہد التنزیل، ج2، ص56 صحیح مسلم، ج4، ص1883

۲۔ وہ روایتیں جو حدیث کسا کے بارے میں ہیں۔[1]

۳۔ وہ روایتیں جو کہتی ہیں کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد چھ (٦) مہینوں تک رسول اکرم ﷺ ہر نماز کے وقت حضرت علی (علیہ السّلام) اور فاطمہ (علیہا السّلام) کے گھر کے دروازہ پہ جاتے اور فرماتے: "**الصلوۃ! یا اھل البیت! انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا**؛ اے اہلبیت نماز کا وقت ہو چکا ہے! بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت علیھم السّلام کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔[2]

۴۔ وہ روایتیں جو ابو سعید خدری سے ہم تک پہنچیں ہیں۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں "**نزلت فی خمسة: فی رسول اللہ و علی و فاطمة والحسن والحسین (علیھم السّلام)**" یہ آیت رسول اکرم ﷺ، حضرت علی (علیہ السّلام)، حضرت فاطمہ (علیہ السّلام)، حضرت حسن (علیہ السّلام)، حضرت حسین (علیہ السّلام) کے شان میں نازل ہوئی ہے۔[3]

ہم یہاں اس بات کو پورا کرنے کیلئے جناب عائشہ سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں جو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ ثعلبی لکھتا ہے جب جناب عائشہ جنگ جمل میں آئی۔ کسی نے ان سے اس بارے میں سوال کیا، جناب عائشہ نے

---

1 شواہد التنزیل، ج2، از ص11 تا 15 و ص92 مختلف سندوں کے ساتھ.

2 شواہد التنزیل، ج2، از ص24 تا ص27

3 مجمع البیان، ج7 و 8 ص559

افسوس ناک انداز میں کہا یہی تقدیر الٰہی تھی۔ اور جب جناب عائشہ سے حضرت علی (علیہ السّلام) کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس طرح سے جواب دیا" تسالنی عن احب الناس کان الی رسول اللہ و زوج احب الناس کان الی رسول اللہ، لقد رایت علیا و فاطمۃ وحسنا وحسینا و جمع رسول اللہ بثوب علیہم. ثم قال: اللھم ھؤلاء اھل بیتی وحامتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا. قالت: فقلت: یا رسول اللہ انا من اھلك (صحیح) فقال: تنحی فانك الی خیر؛ مجھ سے اس شخص کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ترین شخص ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا حضرت علی (علیہ السّلام)' حضرت فاطمہ (علیہ السّلام)' حضرت حسن (علیہ السّلام)' حضرت حسین (علیہ السّلام) کو رسول اکرم نے ایک چادر میں بلا کر ارشاد فرمایا:

خدایا! یہی میرے اہلبیت (علیہم السّلام) ہیں' یہی میرے حامی ہیں' پروردگاران سے رجس کو دور فرما اور اس طرح پاک کردے جس طرح پاک کرنے کا حق ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا دور ہو جاؤ تم نیکی پہ ہو (پر اہلبیت علیہم السّلام میں شامل نہیں) [1]

---

1 مجمع البیان' ج 7 و 8 ص 559

۷ -آیہ مباہلہ

"فمن حاجك فيه من بعد ما جائك من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائكم و نسائنا و نسائكم و انفسنا و انفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين؛[1]

پیغمبر علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دی لغت میں ابتہال کی معنی کسی فرد یا حیوان کو اس کے حال پر چھوڑنا ہے۔ اور اصطلاح میں ابتہال کی معنی نفرین کرنا ہے اور مباہلہ کی معنی دو شخصوں کا ایک دوسرے پر نفرین کرنا ہے۔ اس معنی کے مطابق جب دو شخص دینی مسئلے پہ گفتگو کریں اور کوئی زبانی دلیل کام نہ آئے تو دونوں ساتھ ملکر اللہ تعالی کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ پروردگار جھوٹے کو ذلیل اور رسوا کردے۔[2]

شان نزول

جو اسلامی روایتیں محدثین اور مفسرین نے نقل کی ہیں ان سے سمجھ میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اکرم ﷺ نے نجران کے مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔ عیسائی علمانے ایک دن کی مہلت مانگی تا کہ اس بارے

---

1 آلعمران، آیہ 61

2 تلخیص از مطالبپیام قرآن، ج9، ص242

میں غور و فکر کریں۔اسقف نے ان سے کہا اگر محمد ﷺ اپنے خاندان اور بیٹوں کے ساتھ آئے تو مباہلہ نہ کرنا اور اگر اپنے اصحاب کے ساتھ آئے تو ان سے مباھلہ کرنا کیونکہ اس صورت میں وہ حق پر نہ ہوں گے۔

اگلے دن رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اس صورت میں آئے کہ حضرت علی (علیہ السّلام) کا ہاتھ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں تھا حضرت حسن (علیہ السّلام) اور حضرت حسین (علیہ السّلام) ساتھ تھے اور حضرت فاطمہ (علیہا السّلام) پیچھے تھی اور دوسری طرف سے مسیحی اپنے اسقف اعظم کے ساتھ آئے۔جب انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو چند افراد کے ساتھ دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں؟کسی نے جواب دیا: ان میں سے ایک رسول اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہے اور یہ دونوں بچے رسول اکرم ﷺ کی دختر کے بیٹے ہیں اور یہ خاتون رسول اکرم ﷺ کی بیٹی ہے۔یہ سب رسول اکرم ﷺ کے نزدیک ترین افراد ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو بہت پیارے ہیں۔جب اسقف نے ان کو دیکھا تو بولا: میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو یقین اور اطمنیان کے ساتھ مباھلہ کرنے آئے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہیں یہ سچے نہ ہوں! اگر یہ سچے نکلے تو ہم برباد ہو جائیں گے۔اسقف نے رسول اکرم ﷺ سے کہا اے اباالقاسم ﷺ ہم تم سے ہرگز مباہلہ نہ کریں گے، ہم سے صلح کرلو۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ جب اسقف نے اہلبیت (علیہم السّلام) کو دیکھا تو کہا: میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر یہ اللہ تعالی سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی دعا کریں تو ضرور بہ ضرور ایسے ہو گا، مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ

گے۔[1]

صحیح مسلم میں اس طرح لکھا ہے کہ معاویہ نے سعد ابن وقاص سے پوچھا : تم حضرت علی (علیہ السّلام) پر لعنت کیوں نہیں کرتے ؟ سعد نے جواب دیا تین چیزوں کی وجہ سے 'جنگ تبوک میں حدیث منزلت کی وجہ سے 'جنگ خیبر میں پرچم کی وجہ سے' اور مباہلہ کی وجہ سے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی (علیہ السّلام)' حضرت فاطمہ (علیہا السّلام)' حضرت حسن (علیہ السّلام)' حضرت حسین (علیہ السّلام) کو بلایا اور کہا پروردگارا یہی میرے اہل بیت (علیہم السّلام) ہیں۔[2]

۸ ۔ آیہ خیر البریہ

"ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خیر البریة جزائهم عند ربهم جنات عدن تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ابدا رضی الله عنهم و رضوا عنه ذلك لمن خشی ربه"[3]

اور بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں (7) پروردگار کے یہاں ان کی جزا وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ انہی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں خدا ان سے راضی

---

1 مجمع البیان' ج 1 و 2 ص 452 تھوڑے خلاصہ کے ساتھ

2 صحیح مسلم' ج 4' ص 1871

3 بینہ' آیہ 7 و 8

ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور یہ سب اس کے لئے ہے جس کے دل میں خوف خدا ہے

بے شک اس آیت کا مفہوم بے حد وسیع ہے۔ اس آیت کا مفہوم کسی ایک یا چند اشخاص سے مخصوص نہیں۔ لیکن اسلامی روایتوں کے مطالعہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ **خیرالبریہ** اور اللہ تعالی کی بہترین مخلوق ہونے کے چند مصداق بتائے گئے ہیں۔

شان نزول

اہلسنت کے مفسروں میں سے مشہور مفسر سیوطی اپنی تفسیر الدر المنثور میں اور ایک بزرگ حنفی عالم حاکم حسکانی اپنی مشہور اور معروف کتاب شواہد التنزیل میں بہت ساری روایتیں نقل کی ہیں جن سے سمجھ میں آتا ہے کہ خیر البریہ کے مصداق کامل حضرت علی (علیہ السّلام) ہیں۔

الف۔ سیوطی، ابن عساکر سے اور جابر ابن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی خدمت میں تھا اتنے میں حضرت علی (علیہ السّلام) ہماری طرف آتے ہوئے نظر آئے، جب رسول اکرم ﷺ کی نظر ان پر پڑی تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**والذی نفسی بیدہ ان هذا و شیعته لهم الفائزون یوم القیامة**" قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ شخص اور اسکے شیعہ قیامت میں کامیاب ہیں۔

جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں : "نزلت ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البرية. فکان اصحاب النبی(صلّی الله علیه و آله و سلّم) اذا اقبل علی(علیه السّلام) قالوا جاء خير البرية؛ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وجہ سے جب بھی حضرت علی (علیہ السّلام) آتے رسول اکرم کے صحابہ کہتے خیر البریہ آئے ہیں۔[1]

ب۔ حاکم حسکانی اوپر والی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ابن عباس سے ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں: ابن عباس کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی "ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البرية" رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی (علیہ السّلام) سے فرمایا: "هو انت و شیعتك، تاتی انت و شیعتك یوم القیامة راضین مرضیین و یاتی عدوك غضبانا مقمحین؛ تم اور تیرے شیعہ خیر البریہ ہیں، قیامت میں ایسے آؤ گے کہ اللہ تعالی تم لوگوں سے راضی ہوگا اور تم اللہ سے لیکن تمہارا دشمن اس حال آئے گا کہ عذاب میں ہوگا۔[2]

اہم نکتہ

حضرت علی (علیہ السّلام) کے ماننے والوں کو شیعہ پکارنا، رسول اکرم ﷺ کے دور کی بات ہے اور سب سے پہلے شیعہ پکارنے والے بھی خود رسول

---

1 الدر المنثور، ج6، ص379؛ والغدیر، ج2، ص58

2 شواہد التنزیل، ج2، ص357 و صواعق، ص96

اکرم ﷺ ہیں۔ لفظ شیعہ بھی رسول اکرم ﷺ کے ارشادات میں موجود ہے' اب جو شیعہ کی معنی ادہر ادہر کی کریں درست نہیں' کیونکہ شیعہ رسول اکرم ﷺ کا دیا ہوا نام ہے۔اب جو اس نام کی توہین کرے وہ در حقیقت رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے اور شیعہ سے بغض اور عداوت' رسول اکرم ﷺ سے بغض اور عداوت ہے۔رسول اکرم ﷺ کی صفتوں میں سے ایک صفت جو قرآن میں ذکر ہے" **و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**[1] رسول اکرم ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے جو بولتے ہیں اللہ تعالی کے حکم سے بولتے ہیں۔بے شک حضرت علی (علیہ السّلام) کے ماننے والوں کو شیعہ کا نام دینا' ایسا کام ہے جو صرف رسول اکرم ﷺ کے کہنے پہ نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالی کی جانب سے انجام پایا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ وحی کے سوا کچھ نہیں بولتے۔

۱۰۔آیہ لیلۃ المبیت

و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد؛[2]

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے

1 نجم' آیہ 3 و 4

2 بقرہ' آیہ 207

اس آیت کے شان نزول میں اسلامی معتبر کتابوں میں بہت ساری روایات وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ثعلبی اپنی تفسیر میں اور حاکم حسکانی شواہد التنزیل میں ابو سعید خدری اور ابن عباس سے حدیث نقل کرتے ہیں ہم ثعلبی کے بیان کو یہاں پر نقل کرتے ہیں۔[1]

شان نزول

ثعلبی لکھتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ حضرت علی (علیہ السّلام) کو اپنے قرض اور امانتیں ادا کرنے کیلئے مقرر فرمایا اور غار کی طرف روانہ ہوئے اس حال میں کہ مشرکین نے گھر کو گھیر رکھا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی (علیہ السّلام) کو حکم دیا کہ آپ کے بستر پہ سوئے اور ارشاد فرمایا جو سبز چادر میں اوڑھ کے سوتا ہوں وہ چادر اوڑھ کے سو جاؤ انشاالله کوئی پریشانی پیش نہ آئے گی۔ حضرت علی (علیہ السّلام) نے حکم کی تعمیل کی تو الله تعالی نے جبرئیل اور میکائیل پہ وحی نازل فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے لیکن ایک کی زندگی دوسرے سے طولانی ہے، تم دونوں میں سے کون دوسرے کو خود پر مقدم کرے گا؟ دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کے طولانی ہونے کا تقاضہ کیا۔ اللّٰہ تعالی نے ارشاد فرمایا تم دونوں حضرت علی (علیہ السّلام) کی طرح کیوں نہیں بنتے ؟

---

1 حاکم حسکانی نے ابو سعید خدری سے تھوڑے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے جیسے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

میں نے حضرت علی (علیہ السّلام) اور محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ حضرت علی (علیہ السّلام) اپنے بھائی کے بستر پر سو رہا ہے اور اپنے بھائی کی جان کو اپنی جان پر مقدم کر رہا ہے، پس زمین پر جاؤاور حضرت علی (علیہ السّلام) کی دشمنوں سے حفاظت کرو۔ جبرئیل اور میکائیل زمین پر آئے، میکائیل پائنتی کی طرف بیٹھے اور جبرئیل سر کے پاس بیٹھے اور کہنے لگے اے حضرت علی (علیہ السّلام) تیرے کیا کہنے! تیرے جیسا کون ہے؟ اللہ تعالی فرشتوں میں تجھ پر فخر کر رہا ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ مدینہ کی طرف روانہ تھے اس وقت یہ آیت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی "و من الناس من یشری۔۔۔"۔[1]

ابن ابی الحدید نہج البلاغہ کی شرح میں ابو جعفر اسکافی سے نقل کرتے ہیں: "حدیث الفراش قد ثبت بالتواتر فلایجحدہ الا مجنون او۔۔۔" حدیث فراش متواتر ہے پاگل کے سوا کوئی اس حدیث کا انکار نہیں کر سکتا۔ تمام مفسروں نے نقل کیا ہے کہ: یہ آیت شب ہجرت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت علی (علیہ السّلام) کا رسول اکرم ﷺ کے بستر پہ سونا تمام مفسروں کے نزدیک ثابت ہے اسلئے پاگل کے سوا کوئی اس حدیث کا انکار نہیں سکتا۔ تمام مفسروں نے نقل کیا ہے یہ آیت

---

1 الغدیر، ج2، ص48

شب ہجرت جب حضرت علی (علیہ السّلام) رسول اکرم ﷺ کے بستر پہ سوئے تو حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[1]

مستدرك الصحيحين میں حاکم نیشابوری داستان شب ہجرت کو ابن عباس سے نقل کرتے ہیں اور صاف صاف لکھتے ہیں: "هذا حديث صحيح الاسناد و لم يخرجاه؛ اگرچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا لیکن یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث کی سند درست ہے۔[2]

۱۰۔ آیات برائت

براة من الله و رسوله الى الذين عاهدتم من المشركين۔۔۔؛ مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا اب ان سے خدا و رسول کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے[3]

اہل تشیع کے تمام مورخین، محدثین اور مفسرین اور اہل سنت کے اکثر مورخین، محدثین اور مفسرین نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سورہ برائت کی ابتدائی آیتوں کے پہچانے کی ذمیداری ابو بکر کو سونپی لیکن بعد میں

---

1 شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید 3، ص270 والغدیر، ج2، ص47 وص48

2 مستدرک الصحیحین، ج3، ص4

3 توبہ، آیہ 1 اور اس کے بعد

حضرت علی (علیہ السّلام) کو ابو بکر کے پیچھے بھیجا کہ ابو بکر سے ان آیتوں کو لے کہ خود مدینہ جا کے ان آیتوں کو پہنچاؤ۔

اس بارے میں ہم اہلسنت کے مشہور عالم احمد ابن حنبل کی معتبر کتاب مسند احمد ابن حنبل کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

شان نزول

احمد ابن حنبل اپنی کتاب مسند احمد ابن حنبل میں لکھتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے سورہ برائت کی ابتدائی آیتوں کے پہنچانے کی ذمیداری دے کر ابو بکر کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ اعلان کرے کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو خانہ کعبہ کے حج کا حق نہیں اور کسی کیلیئے مناسب نہیں کہ وہ ننگا اور عریان خانہ کعبہ کا حج کرے۔ بعد میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی (علیہ السّلام) سے فرمایا: جاؤ مدینہ اور مکہ کے بیچ ابو بکر سے ملو، ابو بکر کو میرے پاس واپس بھیجو اور خود جا کے مکہ میں سورہ برائت کی آیتوں کو پہنچاؤ۔ اس روایت کے آخر میں ہے جب ابو بکر نے سوال کیا میں ان آیتوں کو کیوں نہ پہنچاؤں، میری مخالفت میں کچھ نازل ہوا ہے کیا؟ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا: "امرت ان لا یبلغہ الا انا او رجل منی؛ مجھے حکم ہوا ہے اس سورہ کو کوئی نہ پہنچائے سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو۔[1]

1 مسند احمد، ج1، ص3

ترمذی اپنی مشہور کتاب سنن ترمذی میں (اہلسنت کے نزدیک سنن ترمذی حدیث کے اصل کتابوں میں شمار ہوتی ہے) اس حدیث کو مختلف انداز میں انس ابن مالک سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: رسول اکرم نے ابو بکر کو سورہ برائت کی ابتدائی آیات دے کر بھیجا پھر فرمایا "لاینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی فدعا علیا فاعطاہ ایاہ؛ کسی کیلئے سزاوار نہیں کہ وہ ان آیات کی تبلیغ کرے سوائے میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو پھر حضرت علی (علیہ السّلام) کو بلا کے یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی۔[1]

۱۱۔ آیہ سقایۃ الحاج

"اجعلتم سقایة الحاج و عمارة المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر و جاھد فی سبیل اللہ لایستوون عند اللہ و اللہ لایھدی القوم الظالمین؛[2] کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس کا جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے - ہرگز یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

---

1 سنن ترمذی، ج5، ص275

2 توبہ، آیہ 19

اس آیت کو جو مفسرین حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں سمجھتے ہیں ان میں سے ایک حاکم حسکانی ہے۔ وہ اپنی تفسیر شواہد التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں مختلف اسناد کے ساتھ دس حدیثیں لاکر اس مطلب کو ثابت کرتے ہیں۔

شان نزول

حاکم حسکانی اپنی تفسیر شواہد التنزیل میں انس ابن مالک سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عباس ابن عبد المطلب اور شیبہ ایک دسرے پر فخر کر رہے تھے اتنے میں حضرت علی (علیہ السّلام) وہاں پہنچے۔ عباس ابن عبد المطلب نے عرض کیا: اے میرے بھتیجے رک جاؤ! تم سے ایک کام ہے۔ حضرت علی (علیہ السّلام) رک گئے۔ عباس نے کہا: شیبہ مجھ پر فخر کر رہا ہے' وہ گمان کر رہا ہے کہ وہ مجھ سے افضل اور اشرف ہے۔ حضرت علی (علیہ السّلام) نے کہا چچا جان آپ نے کیا جواب دیا؟ عباس نے عرض کیا میں نے اس کے جواب میں کہا: میں رسول اکرم ﷺ کا چچا ہوں' رسول اکرم ﷺ کے والد محترم کا وصی ہوں اور حاجیوں کو سیراب کرنے والا ہوں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں میں تم سے افضل ہوں! حضرت علی (علیہ السّلام) نے شیبہ سے کہا تم نے عباس کے جواب میں کیا کہا؟ شیبہ نے کہا میں نے عباس کو جواب دیا: میں تم سے افضل ہوں کیونکہ میں اللہ تعالی کا امین ہوں خانہ کعبہ کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ اگر تم افضل ہوتے اللہ تعالی تمہیں امین قرار دیتا اللہ تعالی نے تمہیں امین کیوں نہیں بنایا؟ حضرت علی (علیہ السّلام) نے کہا میرا افتخار اس چیز پر ہے کہ میں اس امت کا پہلا شخص ہوں جس نے سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ پر

ایمان قبول کیااور ہجرت اور جہاد کیا۔ پھر یہ تینوں ملکر رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور ہر ایک نے اپنی بات رسول اکرم ﷺ کو بتائی۔ رسول اکرم ﷺ نے کچھ نہ کہا خاموش رہے۔اس واقعہ کے چند دن بعد اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ نے قاصد بھیج کر تینوں کو بلایا۔جب تینوں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی"اجعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام"[1] یہی مضمون کچھ کمی زیادتی کے ساتھ دوسری روایات میں بھی آیا ہے۔

۱۲۔ آیہ وکفی اللہ المؤمنین القتال

"و رد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيرا و كفى الله المؤمنين القتال و كان الله قويا عزيزا[2]اور خدا نے کفّار کو ان کے غصّہ سمیت واپس کردیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے اور اللہ نے مومنین کو جنگ سے بچالیا اور اللہ بڑی قوت والااور صاحبِ عزّت ہے

بہت سارے محدثین اور مفسرین نے لکھاہے : یہ حضرت علی (علیہ السّلام) کی طرف اشارہ ہے اس بے مثال ضربت کی وجہ سے جو حضرت علی (علیہ

1 شواہدالتنزیل،ج1،ص249

2 احزاب،آیہ25

السّلام) نے جنگ خندق میں عمر ابن عبدود پر لگائی جس سے مسلمان ،کفار پر فاتح قرار پائے۔

حاکم حسکانی نے بہت ساری حدیثیں مختلف اسناد سے نقل کی ہیں۔ہم حاکم حسکانی کی اس روایت کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں جو انہوں نے بہت مشہور اور معتبر صحابی حذیفہ سے نقل کی ہے۔

شان نزول

حضرت علی (علیہ السّلام) کی عمر ابن عبدود کے ساتھ جنگ کو اور عمر ابن عبدود کے قتل کو حذیفہ نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔حذیفہ کہتے ہیں : رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : "**ابشر یا علی! فلو وزن الیوم عملك بعمل امة محمد (صلّی اللہ علیہ و آلہ و سلّم) لرجح عملك بعملھم و ذلك انہ لم یبق بیت من بیوت المسلمین الا و قد دخلہ عزبقتل عمرو**؛اے علی (علیہ السّلام) تمہیں بشارت ہو تم نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے۔اگر تیرے اس کارنامے کا امت مسلمہ کے اعمال سے موازنہ کیا جائے تو تیرا یہ کارنامہ امت مسلمہ کے تمام اعمال پر بھاری ہوگا کیونکہ اگر تیرا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو زمین پر کوئی مسلمان نہ ہوتا۔[1]

1 شواہد التنزیل، ج2، ص7

۱۳۔ آیہ صدیقون

"والذین آمنوا باللہ و رسلہ اولئك هم الصدیقون والشهداء عند ربهم لهم اجرهم و نورهم والذین کفروا و کذبوا بآیاتنا اولئك اصحاب الجحیم؛[1]

اور جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی خدا کے نزدیک صدیق اور شہید کا درجہ رکھتے ہیں اور ان ہی کے لئے ان کا اجر اور نور ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کرلیا اور ہماری آیات کی تکذیب کردی وہی دراصل اصحاب جہنّم ہی حاکم حسکانی نے اپنی تفسیر شواہد التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں پانچ مختلف اسناد سے پانچ روایتیں نقل کی ہیں ہم فقط ابن ابی لیلیٰ کی روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔

شان نزول

ابن ابی لیلیٰ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں : "قال رسول اللہ: الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار مؤمن آل یاسین و حزبیل (حزقیل) مؤمن آل فرعون و علی بن ابی طالب الثالث و هو افضلهم" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا صدیق تین ہی ہیں حبیب نجار مومن آل یاسین، حزبیل (حزقیل) مومن آل فرعون اور تیسرے حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السّلام) جو کہ سب سے افضل ہیں۔[2]

---

1 حدید، آیہ 19

2 شواہد التنزیل، ج2، ص223

۱۴۔ آیہ نور

"یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و آمنوا برسوله یؤتکم کفلین من رحمته و یجعل لکم نورا تمشون به و یغفر لکم والله غفور رحیم؛ [1] ایمان والو اللہ سے ڈرو اور رسول پر واقعی ایمان لے آؤ تاکہ خدا تمہیں اپنی رحمت کے دہرے حصّے عطا کردے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دے دے جس کی روشنی میں چل سکو اور تمہیں بخش دے اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے

شان نزول

حاکم حسکانی اپنی تفسیر شواہد التنزیل میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں "یؤتکم کفلین من رحمته" اس جملے سے مراد، حضرت حسن (علیہ السّلام) اور حضرت حسین (علیہ السّلام) ہیں جبکہ "یجعل لکم نورا تمشون" سے مراد، حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السّلام) ہیں۔[2]

اسی کتاب کی دوسری حدیث میں جابر ابن عبداللہ کی سند سے رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں "یؤتکم کفلین من رحمته" اس جملے سے مراد، حضرت حسن (علیہ السّلام) اور حضرت حسین (علیہ السّلام) ہیں جبکہ "یجعل لکم نورا تمشون" سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السّلام) ہیں۔

---

1 حدید، آیہ 28

2 شواہد التنزیل، ج 2، ص 227

حاکم حسکانی اسی کتاب کی دوسری حدیث میں امام محمد باقر (علیہ السّلام) سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں امام محمد باقر (علیہ السّلام) نے فرمایا: "من تمسك بولاية علی فله نور؛ جس کے دل میں حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت ہے اس کے دل میں نور ہے۔[1]

۱۵۔ آیہ انفاق

"الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا و علانية فلهم اجرهم عند ربهم و لا خوف عليهم و لا هم يحزنون؛[2] جو لوگ اپنے اموال کو راہِ خدا میں رات میں . دن میں خاموشی سے اور علی الاعلان خرچ کرتے ہیں ان کے لئے پیش پروردگار اجر بھی ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن۔

بے شک اس آیت کا مفہوم بے حد وسیع ہے' اس آیت میں مختلف حالتوں میں اللہ کی راہ میں انفاق کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سب کے سامنے دکھا کے' سب سے چھپا کے رازداری میں' دن میں اور رات میں۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں انفاق کرتے ہیں ان کیلئے اس آیت میں بہت بڑی خوشخبری ہے۔ لیکن اسلامی روایتوں کے مطالعے سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس آیت کا مصداق کامل' حضرت علی (علیہ السّلام) ہے۔

1 شواہد التنزیل' ج 2' ص 228

2 بقرہ' آیہ 274

شان نزول

اس آیت کو جو مفسرین حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں سمجھتے ہیں ان میں سے ایک سیوطی ہیں۔ سیوطی ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ آیت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت علی (علیہ السّلام) کے پاس صرف چار درہم تھے۔انہوں نے ایک درہم ہے سب کے سامنے دکھا کے' ایک درہم سب سے چھپا کے رازداری میں' ایک درہم دن میں اور ایک درہم رات میں اللہ کی راہ میں صدقہ دیا اس وقت یہ مبارک آیت نازل ہوئی۔[1]

ابن ابی الحدید نے جہاں حضرت علی (علیہ السّلام) کی بلند صفات کو شمار کیا ہے وہاں مختلف صفات کے تذکرے کے بعد جب حضرت علی (علیہ السّلام) کی سخاوت پہ پہنچے سورہ ھل اتی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "روی المفسرون انه لم یملك الا اربعة دراھم، فتصدق بدرھم لیلا و بدرھم نھارا و بدرھم سرا و بدرھم علانیة. فانزل فیه الذین ینفقون اموالھم" مفسرین نے لکھا ہے حضرت علی (علیہ السّلام) کے پاس صرف چار درہم تھے انہوں نے ایک درہم ہے سب کے سامنے دکھا کے' ایک درہم سب سے چھپا کے رازداری میں' ایک درہم دن میں اور ایک درہم رات میں اللہ کی راہ میں صدقہ دیا۔ اللہ

---

1 الدرالمنثور' ج1' ص363

تعالی نے اس وقت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں یہ مبارک آیت نازل کی۔

ابن ابی الحدید کے بیان سے لگتا ہے اس مسئلے میں تمام مفسرین متفق ہیں یا کم سے کم یہ مسئلہ مفسروں کے نزدیک مشہور ہے۔[1]

١٦۔ آیہ محبت

"یا ایها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبونه۔۔۔ ؛[2]ایمان والو تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا... تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے صاحبِ عزت، راہِ خدا میں جہاد کرنے والی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والی ہوگی - یہ فضلِ خدا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ صاحبِ وسعت اور علیم و دانا بھی ہے۔

یہ آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ: کچھ تازہ مسلمانوں کے کردار سے اسلام پر حرف نہیں آتا سچے مسلمانوں کی کچھ نشانیاں ہیں۔اللہ تعالی نے اپنے دین کی حفاظت ان لوگوں کے سپرد کی ہے جو لوگ اللہ تعالی کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالی ان کو دوست رکھتا ہے۔ وہ صفات جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں ان کا

---

1 شرح نہج البلاغہ ' ابن ابی الحدید ' ج 1 ' ص 21

2 مائدہ ' آیہ 54

ایک شخص یا کچھ افراد میں جمع ہونا اللہ تعالی کے خاص لطف اور کرم کے بغیر ممکن نہیں، ہر کوئی اس مقام کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

اس آیت کا مفہوم بھی گذشتہ آیتوں کی طرح وسیع ہے لیکن جو اسلامی روایتیں اہلسنت اور اہل تشیع سے نقل ہوئی ہیں ان سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ اس آیت کا مصداق کامل حضرت علی (علیہ السّلام) ہیں۔

شان نزول

فخر رازی جب اس آیت کی تفسیر میں پہنچتے ہیں تو اس آیت کی تطبیق میں مفسرین کے کچھ اقوال نقل کرتے ہیں اور بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: یہ آیت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پھر اس آیت کے حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہونے کی دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنگ خیبر میں رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت علی (علیہ السّلام) کے ہاتھ میں پرچم دیا: "**لادفعن الرایة غدا الی رجل یحب اللہ و رسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ**؛ کل میں پرچم اس کے حوالے کروں گا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھے گا اور اللہ تعالی اور اس کا رسول ﷺ بھی اس شخص کو دوست رکھیں گے۔

پھر فخر رازی لکھتے ہیں یہ وہ صفتیں ہیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ کہ آیت ولایت "**انما ولیکم اللہ و رسولہ** بھی حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے، ضروری ہے کہ اس آیت کو بھی حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں شمار کریں۔ (57)

۱۷۔ آیہ مسؤولون

"وقفوهم انهم مسؤولون؛ اور ذرا ان کو ٹھہراؤ کہ ابھی ان سے کچھ سوال کیا جائے گا (58)

شان نزول

بہت ساری روایتوں میں آیا ہے کہ : اس سوال سے مراد، حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت کا سوال ہے۔ اہل سنت علما میں سے بہت سارے بزرگ علما اس سوال سے مراد، حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ایک حاکم حسکانی ہے جو شواہد التنزیل میں ابو سعید خدری سے دو سندوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "عن ولاية على بن ابی طالب" اس سوال سے مراد حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت کا سوال ہے۔

حاکم حسکانی دوسری حدیث میں سعید ابن جبیر سے اور ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اذا كان يوم القيامة اوقف انا و علی على الصراط فما يمر بنا احد الا سئلناه عن ولاية علی، فمن كانت معه و الا القيناه فی النار و ذلك قوله : "وقفوهم انهم مسؤولون" جب قیامت کا دن ہو گا میں اور حضرت علی (علیہ السّلام) پل صراط پہ کھڑے ہوں گے جو بھی ہمارے پاس سے گزرے گا ہم حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت بارے میں اس سے سوال کریں گے۔ جس کے پاس حضرت علی کی ولایت ہو گی وہ پل صراط سے

گذر جائے گا اور جس کے پاس حضرت علی (علیہ السّلام) کی ولایت نہ ہو گی ہم اسے جہنم میں پھینک دیں گے اس آیت سے بھی یہی مراد ہے۔(59)

مزے کی بات یہ ہے کہ آلوسی جو بغض اہل بیت میں مشہور ہے اور ہر اس آیت کو جو اہلبیت (علیہم السّلام) یا حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے اس کو موڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس آیت ذیل میں آکر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ : شیعہ لوگ کہتے ہیں یہ آیت حضرت علی (علیہ السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آخر میں خود اپنی طرف سے تمام خلیفوں کا اضافہ کرتا ہے۔(50)

آخری بات

بہترین اختتام یہ ہے کہ ہم اپنی گفتگو کو رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث پر ختم کریں جس کو اہلسنت اور اہل تشیع سب نے مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

رسول اکرم ارشاد فرماتے ہیں" علی مع القرآن والقرآن مع علی حضرت علی (علیہ السّلام) قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن حضرت علی (علیہ السّلام) کے ساتھ ہے۔

جس معاشرے میں رسول اکرم ﷺ نے یہ نورانی کلام ارشاد فرمایا اگرچہ اس دور میں اس نورانی کلام کے سمجھنے والے کم تھے۔ لیکن آج اس بات کو سمجھنا اور ہضم کرنا آسان ہے۔ اگر اس کلام میں رسول اکرم ﷺ کا مقصد صرف ساتھ ہونے کو ذکر کرنا ہوتا تو بات آسان تھی اور حدیث کا پہلا جملہ علی مع القرآن اس مطلب کی ادائیگی کیلئے کافی تھا دوسرے جملے "والقرآن مع

علی" کے اضافے کی ضرورت نہ تھی۔ غور و فکر کی ضرورت دوسرے جملے میں ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : قرآن حضرت علی کے ساتھ ہے۔ یہ کلام غور طلب ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا مقصد صرف ساتھ ہونے کو بیان کرنا نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن اور حضرت علی (علیہ السّلام) ہم ردیف ہیں۔

قرآن اور حضرت علی (علیہ السّلام) ایک وجود کے دو نام ہیں کیونکہ حضرت علی (علیہ السّلام) قرآن مجسم یا عینی قرآن ہیں ہم اس بات کا فیصلہ اہل علم پر چھوڑتے ہیں جو اللہ تعالی کی حکمت کو جانتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی اہلبیت (علیہم السّلام) کے صدقے قیامت میں ہمیں قرآن اور اہلبیت (علیہم السّلام) کے ماننے والے گروہ میں محشور فرمائے آمین۔